کمالاتِ اشرفیہ

مذہبی دُنیا میں زلزلہ

مُرتّبہ
عبداللہ امین زئی

کمالاتِ اشرفیہ

مذہبی دُنیا میں زلزلہ

مرتبہ

عبدُاللہ المرزنیؔ

اجازتِ عام

اس کتاب کے حقوق محفوظ نہیں کیے گئے ہیں۔ ہر فرد یا ادارہ بلا اجازت شوق سے شائع کر سکتا ہے۔ مگر قیمت سے کر فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ نہ کسی کمی یا بیشی کی اجازت ہے۔

(عبداللہ امین زئی)

ناشر و مرتب عبداللہ امین زئی نے جون ۱۹۸۳ء میں پرنٹنگ ان پریس لاہور
میں چھپوا کر شائع کیا۔ فون ۲۰۴۶۶۲

— مرزا صاحب کا قلم

— مولانا تھانوی کی کتاب

(عقل گم کردینے والے انکشافات)

ترتیب عنوانات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انکشافاتِ عجیبہ

مئی ۱۹۸۳ء کے سخت گرم دنوں میں ایک صاحب علم نے بعض عجیب و غریب اور حیرت ناک انکشافات کر کے موسم کو گرم تر بنا دیا۔ یہ ایسے انکشافات ہیں جن سے مذہبی دنیا میں زلزلہ برپا ہو جائے گا۔ انکشافات کے مطابق دیوبندی مکتبۂ فکر کے سب سے بڑے عالم اور لاکھوں مسلمانوں کے پیشوا حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی مشہور و معروف کتاب "احکامِ اسلام عقل کی نظر میں" ایک ایسی پر معارف تصنیف ہے جس کے اسرار و معارف میرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی مختلف اور متعدد کتابوں سے نقل کئے گئے ہیں۔ مگر کسی ایک جگہ بھی مرزا صاحب کا نام یا ان کی کتاب کا حوالہ درج نہیں کیا گیا۔ زیر نظر رسالہ کے مرتب (عبداللہ ایمن زئی) کو پہلے تو اس دعوے یا انکشاف پر یقین نہ آیا اور خیال ہوا کہ محض مذہب دشمنی کی بنا پر حضرت تھانوی پر الزام لگا دیا گیا۔ مگر جب حضرت تھانوی اور مرزا صاحب کی کتابوں کو سامنے رکھ کر مقابلہ کیا تو یہ الزام سو فیصد درست اور صحیح پایا۔ عقل دنگ رہ گئی کہ اپنے زمانے کا اتنا بڑا عالم جس نے لاکھوں انسانوں کو علمِ دین پڑھایا وہ اپنی کتاب "احکامِ اسلام عقل کی نظر میں" لکھتے ہوئے اتنا بے بس ہو گیا کہ روحانی معارف بیان کرنے کے لئے اسے مرزا صاحب کی کتابوں کا سہارا لینا پڑا جن کے کفر

کے بارے میں خود حضرت تھانوی کا فتویٰ موجود ہے۔ جس شخص کو کافر قرار دیا جاچکا ہو اُس کی کتابوں کی عبارتیں ایک عالم دین اپنی کتاب کی زینت بنائے؛ یہ کہاں تک اسلامی فعل ہے۔ غور کرنے کے بعد اس کا جواب مِل گیا۔

پہلے مرزا صاحب اور حضرت تھانوی صاحب کی تحریروں کا موازنہ پیش کیا جاتا ہے۔ ہر دو مصنّفوں کی تصانیف کے نام اور طباعت کے سنہ درج کئے جارہے ہیں۔ عبارتوں کو نقل کرتے ہوئے خیال رکھا گیا ہے کہ ایک لفظ کی بھی کمی بیشی نہ کی جائے۔ اگر اصل کتابوں میں کتابت کی کوئی غلطی رہ گئی ہے تو اسے بھی اسی طرح نقل کر دیا جائے۔ امید ہے یہ موازنہ اور مقابلہ حقائق کو سمجھنے میں بہت مدد پہنچائے گا۔

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے۔ حضرت مولانا تھانوی کی کتاب "احکام اسلام عقل کی نظر میں" پہلی بار ۱۳۶۸ھ میں ادارہ اشرف العلوم دیوبند سے شائع ہوئی۔ مرزا صاحب ۱۳۲۶ھ میں فوت ہو چکے تھے۔ یعنی حضرت تھانوی کی کتاب پہلی بار مرزا صاحب کی وفات کے بیالیس ۴۲ سال بعد شائع ہوئی۔ اس کتاب کا پہلا نام "المصالح العقلیہ لاحکام النقلیہ" تھا۔ حضرت تھانوی کی اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن "احکام اسلام عقل کی نظر میں" کے نام سے شائع ہوا یہ ایڈیشن حضرت تھانوی کے ایک مخلص عقیدت مند مولانا رضی عثمانی نے کراچی سے ۱۹۷۸ء میں اپنے دیباچہ کے ساتھ شائع کیا۔ یعنی دوسرا ایڈیشن مرزا صاحب کی وفات (۱۹۰۸ء) کے تقریباً ستّر (۷۰) سال بعد شائع ہوا۔ زیر نظر کتاب میں حضرت تھانوی کی تحریروں کے اقتباسات اُس ایڈیشن سے نقل کئے گئے ہیں جو ۱۹۷۸ء میں کراچی سے شائع ہوا تھا۔

(عبداللہ امین زئی)

حُرمتِ خنزیر

قرآن شریف نے خنزیر کو حرام قرار دیا ہے جبکہ بہت سے دوسرے چوپایوں کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے۔ آخر خنزیر کے گوشت میں ایسی کونسی برائی ہے جس کی بناء پر اس کا کھانا حرام کر دیا گیا؟ حضرت تھانوی اس نکتے پر غور فرما رہے تھے کہ خنزیر کو حرام قرار دینے کا عقلاً کیا جواز ہے۔ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں جو لٹریچر تخلیق ہوا اور بڑے بڑے علماء و مفسرین نے اس مسئلے پر جو کچھ لکھا وہ سب حضرت تھانوی کی نظر میں تھا مگر انہوں نے یہ سارا سرمایۂ معرفت ایک طرف رکھ دیا اور مرزا صاحب نے اپنی کتاب میں حرمتِ خنزیر کے جو اسباب بیان کئے تھے وہ اپنی کتاب میں نقل کر دیئے۔ نقل بھی اس طرح کئے کہ مرزا صاحب کا صرف مفہوم ہی نہیں لیا بلکہ الفاظ تک قبول کر لئے۔ یعنی حضرت تھانوی کے نزدیک اس سے بہتر پیرایۂ بیان بھی ممکن نہ تھا۔ ملاحظہ کیجئے:

مرزا صاحب

"تقریر جلسۂ مذاہب"

(۱۸۹۶ء)

" اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور اور نیز بے غیرت اور دیوث ہے۔ اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانونِ قدرت یہی چاہتا ہے کہ ایسے پلید اور بدجانور کے گوشت کا اثر

مولانا تھانوی صاحب

"احکامِ اسلام عقل کی نظر میں"

(مئی ۱۹۷۸ء)

وجوہِ حرمتِ خنزیر "اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خوار۔ بے غیرت و دیوث ہے اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ ایسے پلید اور بدجانور کے گوشت کا اثر بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہوگا

مرزا صاحب

بھی بدن اور روح پر پلید ہی ہو۔ کیونکہ
ہم ثابت کر چکے ہیں کہ غذاؤں کا بھی
انسان کی روح پر ضرور اثر ہے پس اس
میں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بد
ہی پڑے گا۔ جیسا کہ یونانی طبیبوں
نے اسلام سے پہلے ہی یہ رائے ظاہر
کی ہے اس جانور کا گوشت بالخاصیت
حیا کی قوت کو کم کرتا ہے اور دیوثی کو
بڑھاتا ہے۔" (صفحہ ۲۹)

مولانا تھانوی صاحب

کیونکہ یہ بات ثابت شدہ اور مسلّم ہے
کہ غذاؤں کا اثر بھی انسان کی روح پر
ضرور ہوتا ہے۔ پس اس میں کیا شک ہے
کہ ایسے بد کا اثر بھی بد ہی ہوگا جیسا کہ
یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے بھی یہ
رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت
بالخاصہ حیا کی قوت کو کم کر دیتا ہے اور
دیوثی کو بڑھاتا ہے۔" (صفحہ ۲۰۴)

ان دونوں عبارتوں کا مقابلہ کرنے کے بعد مرزا صاحب کے مُریدوں کے دعوے کو درست ہی ماننا پڑتا ہے کہ جو حقائق و معارف مرزا صاحب نے ۱۸۹۶ء میں شائع کئے تھے وہ انہی کے الفاظ ہیں۔ حضرت تھانوی نے تقریباً نصف صدی بعد اپنی کتاب میں شامل فرما لئے۔ البتہ کہیں کہیں لفظی تغیّر کر دیا۔ مثلاً مرزا صاحب نے خنزیر کے لئے " نجاست خور" کے الفاظ استعمال کئے تھے۔ حضرت تھانوی نے نجاست خوار" کر دیا۔ مرزا صاحب نے خنزیر کے لئے " بے غیرت اور دیوث" کے الفاظ استعمال کئے۔ حضرت تھانوی نے "بے غیرت و دیوث" کر دیا۔ یعنی " اور" کو " واؤ" سے بدل دیا۔ مرزا صاحب نے لکھا کہ " قانونِ قدرت یہی چاہتا ہے"۔ حضرت تھانوی نے یہ الفاظ حذف کر دیئے۔ اُن کے بعد کے الفاظ ہو بہو نقل کر دیئے۔ مرزا صاحب نے لکھا کہ " کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ"۔ حضرت تھانوی نے ان الفاظ کو اس طرح تبدیل کر دیا کہ " یہ بات ثابت شدہ اور مسلّم ہے"۔

حضرت تھانوی نے یہ تغیّر کسی بدنیتی سے نہیں کیا بلکہ اس کی ایک وجہ تھی۔ وجہ یہ تھی کہ مرزا صاحب اپنی اس طویل تقریر میں اس سے پہلے مدلّل بحث کر چکے تھے اور خنزیر کے لفظ اور سنسکرت میں اس کے معنی اور لفظی ترکیب پر گفتگو کر چکے تھے اس لئے انہوں نے لکھا کہ " کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ"۔ مگر حضرت

تھانوی نے چونکہ خنزیر پر اس سے قبل بحث نہ کی تھی۔ پس ان کے لئے یہ الفاظ غیر ضروری اور خلافِ واقعہ تھے اس لئے انہوں نے "کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں۔" کے بجائے "یہ بات ثابت شدہ اور مسلّم ہے" کے الفاظ لکھے۔ اس کے بعد کے وہ سب الفاظ من وعن نقل کر دیئے جو مرزا صاحب کے ہیں۔ ہاں مرزا صاحب کے ایک لفظ "بالخاصیت" کو "بالخاصہ" سے بدل دیا۔ باقی ساری عبارت آخر تک وہی نقل کر دی۔

حضرت تھانوی کو مرزا صاحب کی کتابوں کی عبارتیں نقل کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ کیا اس کی وجہ بدنیتی پر مبنی تھی۔ ہرگز ایسا نہ تھا۔ اس کے اسباب آئندہ صفحات میں اپنے موقع پر بیان کئے جائیں گے۔ جس سے ثابت ہو جائے گا کہ حضرت تھانوی اپنی نیت میں مخلص تھے۔

تاثیرِ دُعا

مرزا صاحب کے دور میں سر سید احمد خان نے مسلمانوں کی سماجی اصلاح اور سیاسی فلاح کے ساتھ ساتھ ان کی مذہبی اصلاح کا بھی بیڑا اٹھایا۔ اس غرض کے لئے انہوں نے اپنے رسالے "تہذیب الاخلاق" اور "سائنٹیفک گزٹ" میں مضامین لکھنے کے علاوہ قرآن شریف کی تفسیر بھی لکھی۔ سید صاحب کی تفسیر قرآن کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کتنے بھی پڑھے لکھے اور قابل شخص تھے مگر ان میں روحانی امور کو سمجھنے کی اہلیت و قابلیت نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے بہت سی غلطیاں ہوئیں اور انہوں نے بعض اسلامی عقائد کی غلط تشریح کی۔ ایسے ہی عقائد میں دعا کا مسئلہ بھی تھا۔ سید صاحب نے اس خیال کا اظہار کیا کہ خدا اپنے بندوں کی دعا نہیں سنتا۔ اس نے کچھ قوانین مقرر کر دیئے ہیں ان کے مطابق سارا نظام چل رہا ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ مرزا صاحب نے سب سے پہلے سر سید احمد خاں کے اس غلط عقیدے اور نظریئے پر ضرب لگائی۔ اور "برکات الدعا" کے نام سے ایک کتاب لکھ کر دلائلِ عقلیہ سے ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعائیں ضرور سنتا اور قبول فرماتا ہے۔

حضرت تھانوی بھی دعا پر کامل یقین رکھتے تھے اور جو لوگ دعا کے منکر تھے انہیں مطمئن اور قائل کرنے کے لئے انہوں نے اپنی کتاب میں ایک باب تحریر فرمایا۔ اس باب میں حضرت تھانوی نے مرزا صاحب کی کتاب "برکات الدعا" کے متعدد صفحات پورے کے پورے نقل فرما دیئے۔ ملاحظہ ہو:۔

مرزا صاحب

"برکات الدعا"

(مطبوعہ ۱۸۹۳ء)

"اگرچہ دنیا کی کوئی خیر و شر مقدر سے خالی نہیں تاہم قدرت نے اس کے حصول کے لئے ایسے اسباب مقرر کر رکھے ہیں جن کے صحیح اور سچے اثر میں کسی عقلمند کو کلام نہیں۔ مثلاً اگرچہ مقدر پر لحاظ کر کے دوا کا کرنا نہ کرنا درحقیقت ایسا ہی ہے جیسا کہ دعا یا ترکِ دعا۔"

(صفحہ ۳، ۴)

مولانا تھانوی صاحب

"احکامِ اسلام عقل کی نظر میں"

(مطبوعہ ۱۹۷۸ء)

"اگرچہ دنیا کی کوئی خیر و شر مقدر سے خالی نہیں تاہم قدرتِ الٰہیہ نے اس کے حصول کیلئے اسباب مقرر کر رکھے ہیں جن کے صحیح اور سچے اثر میں کسی عقلمند کو کلام نہیں۔ مثلاً اگرچہ مقدر پر لحاظ کر کے دوا کا کرنا نہ کرنا درحقیقت ایسا ہی ہے جیسا کہ دُعا یا ترکِ دعا۔"

(صفحہ ۸۴)

یہاں تک مولانا تھانوی نے مرزا صاحب کی کتاب سے ساری عبارت من وعن نقل کردی اور اس میں ذرا سا بھی تغیر ایک لفظ کے سوائے نہیں کیا جس کے اوپر خط کھینچ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت تھانوی نے اپنا قلم استعمال فرمایا اور مرزا صاحب کے مندرجہ ذیل الفاظ میں اس طرح تبدیلی فرمادی:-

مرزا صاحب

"مگر کیا سید صاحب یہ رائے ظاہر کر سکتے ہیں کہ مثلاً علم طب سراسر باطل ہے اور حکیمِ حقیقی نے دواؤں میں کچھ بھی اثر نہیں رکھا۔" (صفحہ ۴)

مولانا تھانوی صاحب

"مگر کیا کوئی یہ رائے ظاہر کر سکتا ہے کہ مثلاً علمِ طب سراسر باطل ہے اور حکیمِ حقیقی نے دواؤں میں کچھ بھی اثر نہیں رکھا۔" (صفحہ ۸۴)

آپ نے غور فرمایا کہ حضرت تھانوی کو مرزا صاحب کی مندرجہ بالا عبارتوں میں تبدیلی کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جاچکا ہے کہ مرزا صاحب نے سر سید احمد خان پر ان کی غلطی واضح کرنے کے لئے "برکات الدعاء" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں جگہ بہ جگہ انہیں مخاطب کیا تھا۔ سر سید احمد خان اور مرزا صاحب کا زمانہ ایک تھا۔ مگر جب حضرت

مولانا تھانوی نے اپنی کتاب لکھی تو سر سید احمد خان فوت ہو چکے تھے اور ان کی وفات پر نصف کے قریب صدی گزر چکی تھی۔ اس لئے وہ سر سید احمد خان کو مخاطب نہیں کر سکتے تھے کیونکہ یہ بے تکی سی بات ہوتی اس۔لئے انہوں نے سر سید احمد خان کا نام حذف کر کے عبارت کو یوں تبدیل کر دیا:۔

مرزا صاحب	مولانا تھانوی صاحب
"مگر کیا سید صاحب یہ رائے ظاہر کر سکتے ہیں کہ....." (صفحہ ۴)	"مگر کیا کوئی یہ رائے ظاہر کر سکتا ہے کہ....." (صفحہ ۸۴)

باقی ساری عبارت وہی ہے جو مرزا صاحب کی کتاب میں موجود ہے۔

اس کے بعد پھر مرزا صاحب نے سر سید احمد خان کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا:۔

مرزا صاحب	مولانا تھانوی صاحب
"کیا سید صاحب کا یہ مذہب ہے کہ خدا تعالیٰ اس بات پر تو قادر تھا کہ تربد اور سقمونیا اور سنا اور حب الملوک میں تو ایسا قوی اثر رکھے کہ ان کی پوری خوراک کھانے کے ساتھ ہی دست چھوٹ جائیں یا مثلاً سم الفار اور بیش اور دوسری ہلاہل زہروں میں وہ غضب کی تاثیر ڈالدی کہ ان کا کامل قدر شربت چند منٹوں میں ہی اس جہان سے رخصت کر دے۔ لیکن اپنے برگزیدوں کی توجہ اور عقد ہمت اور تضرع کی بھری ہوئی دعاؤں کو فقط مردہ کی طرح رہنے دے۔ جن میں ایک ذرہ بھی اثر نہ ہو" (صفحہ ۴)	"پھر جب خدا تعالیٰ اس بات پر قادر ہے اور اس قدرت کا ظہور بھی اس نے کر دیا کہ تربد اور سقمونیا اور سنا اور حب الملوک میں ایسا قوی اثر رکھے کہ ان کی پوری خوراک کھانے کے ساتھ ہی دست چھوٹ جاتے ہیں۔ یا مثلاً سم الفار اور بیش اور دوسرے ہلاہل زہروں میں وہ غضب کی تاثیر ڈال دے کہ ان کا قابل قدر شربت چند منٹوں میں ہی اس جہان سے رخصت کر دے تو پھر کیونکر یہ احتمال کیا جاوے کہ خدا تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کی توجہ عقد ہمت اور تضرع کی بھری ہوئی دعاؤں کو فقط مردہ کی طرح رہنے دے۔ جن میں ایک ذرہ بھی اثر نہ ہو" (صفحہ ۸۳)

مندرجہ بالا عبارت کے آغاز میں پھر مرزا صاحب نے سر سید احمد خان کو مخاطب کرتے ہوئے مثالوں کے ذریعے سے سمجھایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے دواؤں میں تاثیر رکھی ہے تو یہ اس رحیم و کریم اور قادر و توانا خدا سے بعید تھا کہ وہ اپنے برگزیدوں کی دعاؤں کو تاثیر سے خالی رکھتا۔ مگر چونکہ یہاں بھی مرزا صاحب نے سر سید احمد خان کو مخاطب کیا تھا اس لئے مولانا تھانوی نے مرزا صاحب کی عبارت نقل کرتے ہوئے اس کی پہلی سطر کو تبدیل کر دیا اور دوسری سطر میں چند الفاظ کا اضافہ کر کے مرزا صاحب کی باقی عبارت لفظ بہ لفظ نقل کر دی۔ ملاحظہ کیجئے:-

مرزا صاحب	مولانا تھانوی صاحب
"کیا سید صاحب کا یہ مذہب ہے کہ خدا تعالیٰ اس بات پر تو قادر تھا کہ تربد اور سقمونیا اور سنا اور حب الملوک میں تو ایسا قوی اثر رکھے....."	"پھر جب خدا تعالیٰ اس بات پر قادر ہے اور اس قدرت کا ظہور بھی اس نے کر دیا کہ تربد اور سقمونیا اور سنا اور حب الملوک میں تو ایسا قوی اثر رکھے....."
(صفحہ ۴)	(صفحہ ۸۲)

آگے چل کر مرزا صاحب نے ایک بار پھر سر سید احمد خان کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ "خود سید صاحب دعاؤں کی حقیقی فلاسفی سے بے خبر ہیں اور ان کی اعلیٰ تاثیروں پر ذاتی تجربہ نہیں رکھتے۔" یہاں بھی چونکہ مرزا صاحب نے سر سید مرحوم کو مخاطب کیا تھا اور حضرت تھانوی انہیں مخاطب نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ ان کے زمانہ میں موجود ہی نہ تھے اس لئے حضرت تھانوی نے مرزا صاحب کے یہ الفاظ حذف کر دیئے اور اس کے بعد کی عبارتیں من وعن نقل کر دیں۔ اگر کہیں کہیں تبدیلی کی بھی تو ایک آدھ لفظ کی۔ نمونہ ملاحظہ ہو:-

مرزا صاحب	مولانا تھانوی صاحب
"اور اُن کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی ایک مدت تک ایک پرانی اور سالخوردہ اور مسلوب القویٰ دوا کو استعمال کرے اور پھر اس کو بے اثر پا کر اُس دوا پر	"اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایک مدت تک ایک پرانی اور سال خوردہ اور مسلوب القویٰ دوا کو استعمال کرے اور پھر اس کو بے اثر پا کر اُس دوا پر

عامؔ حکم لگادے کہ اس میں کچھ بھی تاثیر نہیں"۔ (صفحہ ۴)

عام حکم لگادے کہ اس میں کچھ بھی تاثیر نہیں"۔ (صفحہ ۸۴)

آگے چل کر مرزا صاحب پھر اسی موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہیں اور دعا اور دوا کا مقابلہ کر کے ثابت کرتے ہیں کہ کسی دعا کی عدم قبولیت سے دُعا کا انکار لازم نہیں آتا۔ جس طرح کسی دوا کے عدمِ اثر سے دوا کی عام تاثیر کا انکار ممکن نہیں۔ حضرت تھانوی صاحب نے مرزا صاحب کی یہ عبارتیں بھی بہ تمام وکمال نقل کر دیں۔ اگر تبدیلی کی تو ایک آدھ لفظ کی۔ مثلاً مرزا صاحب نے لکھا "تو مَیں کہتا ہوں"۔ حضرت تھانوی نے اسے یُوں کر دیا کہ "ہم کہتے ہیں"۔ باقی عبارتیں سب وہی ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

مرزا صاحب

"اور اگر یہ شبہ ہو کہ بعض دعائیں خطا جاتی ہیں۔ اور ان کا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا تو مَیں کہتا ہوں کہ یہی حال دواؤں کا بھی ہے۔ کیا دواؤں نے موت کا دروازہ بند کر دیا ہے؟ یا اُنکا خطا جانا غیر ممکن ہے؟ مگر کیا باوجود اس بات کے کوئی اُن کی تاثیر سے انکار کر سکتا ہے؟۔ یہ سچ ہے کہ ہر ایک امر پر تقدیر محیط ہو رہی ہے۔ مگر تقدیر نے علوم کو ضائع اور بیحرمت نہیں کیا۔ اور نہ اسباب کو بے اعتبار کر کے دکھلایا۔ بلکہ اگر غور کر کے دیکھو تو یہ جسمانی اور روحانی اسباب بھی تقدیر سے باہر نہیں ہیں۔ مثلاً اگر ایک بیمار کی تقدیر نیک ہو۔ تو اسباب علاج پورے طور پر میسّر آجاتے ہیں۔ اور جسم

مولانا تھانوی صاحب

"سوال: دیکھا جاتا ہے کہ بعض دعائیں خطا جاتی ہیں اور ان کا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا۔

جواب: ہم کہتے ہیں یہی حال دواؤں کا بھی ہے۔ کیا دواؤں نے موت کا دروازہ بند کر دیا ہے یا ان کا خطا جانا غیر ممکن ہے۔ مگر کیا باوجود اس بات کے کوئی ان کی تاثیر سے انکار کر سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہر ایک امر پر تقدیر محیط ہو رہی ہے۔ مگر تقدیر نے علوم کو ضائع اور بے حرمت نہیں کیا۔ اور نہ اسباب کو بے اعتبار کر کے دکھلایا۔ بلکہ اگر غور کر کے دیکھو تو یہ جسمانی اور روحانی اسباب بھی تقدیر سے جُدا نہیں ہیں۔ مثلاً اگر بیمار کی تقدیر موافق ہو تو اسباب علاج پورے طور پر میسّر آجاتے ہیں اور جسم

کی حالت بھی ایسے درجہ پر ہوتی ہے کہ وہ اُنسے نفع اٹھانے کے لئے مستعد ہوتا ہے۔ تب دوا نشانہ کی طرح جاکر اثر کرتی ہے۔ یہی قاعدہ دعا کا بھی ہے۔ یعنی دعا کے لئے بھی تمام اسباب و شرائطِ قبولیت اسی جگہ جمع ہوتے ہیں جہاں ارادۂ الٰہی اُس کے قبول کرنیکا ہے۔"

(صفحہ ۸)

کی حالت بھی ایسے درجہ پر ہوتی ہے کہ وہ ان سے نفع اٹھانے کے لئے مستعد ہوتا ہے۔ تب دوا نشانہ کی طرح جاکر اثر کرتی ہے۔ یہی قاعدہ دعا کا بھی ہے۔ یعنی دعا کے لئے بھی تمام اسباب و شرائط قبولیت اسجگہ جمع ہوتے ہیں جہاں ارادہ بھی اس کے قبول کرنے کا ہے۔"

(صفحہ ۸۴-۸۵)

مرزا صاحب اور حضرت تھانوی کی عبارتوں کا مقابلہ صاف بتا رہا ہے کہ حضرت تھانوی نے مرزا صاحب کی کتاب کی عبارتیں جی بھر کر نقل کیں۔ مگر کہیں بھی ان کا حوالہ دینا مناسب نہ سمجھا۔ اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں البتہ حیرت ضرور ہوتی ہے کہ یہ کیا ماجرا ہے اور کیسے رونما ہوگیا اس کا جواب آپ کو اس کتاب کے آخری باب میں مل جائے گا۔

نمازِ پنجگانہ کی عقلی حکمتیں

مرزا صاحب نے اپنی کتاب "کشتی نوح" میں پنجگانہ نماز کی فلاسفی بیان کی۔ حضرت تھانوی اپنی کتاب کی تصنیف کے وقت غور فرمارہے تھے کہ نماز پنجگانہ میں کیا حکمتیں ہیں۔ اسی دوران میں ان کی نظر سے مرزا صاحب کی مذکورہ کتاب گزری۔ اس میں بیان کردہ حکمتیں حضرت تھانوی کو اس قدر پسند آئیں کہ نقطہ بہ نقطہ اپنی کتاب میں نقل فرمادیں۔ البتہ اتنا کیا کہ مرزا صاحب کی بیان کردہ حکمتوں کی مزید تشریح کے لئے ارشاداتِ نبوی، شرح وقایہ اور اطباء کے اقوال درج کردیئے مگر بنیادی عبارتیں وہی ہیں جو مرزا صاحب نے تحریر کی تھیں۔ طوالت سے بچنے کے لئے ذیل میں صرف وہ اقتباس درج کیا جاتا ہے جو مرزا صاحب کا ہے اور جسے حضرت تھانوی نے اپنی کتاب میں نقل فرمایا۔ حضرت تھانوی کی وہ عبارتیں حذف کردی گئی ہیں جو انہوں نے مرزا صاحب کی عبارتوں کے درمیان میں جگہ بہ جگہ اپنے قلم سے اضافہ کردی تھیں۔ قارئین اصل کتاب میں ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔ اب دونوں مصنفوں کا مقابلہ و موازنہ ملاحظہ کیجئے:۔

مرزا صاحب	مولانا تھانوی صاحب
"کشتی نوح"	"احکام اسلام عقل کی نظر میں"
(مطبوعہ ۱۹۰۲ء)	(مطبوعہ مئی ۱۹۷۸ء)
"پنجگانہ نمازیں کیا چیز ہیں۔ وہ تمہارے مختلف حالات کا فوٹو ہے۔ تمہاری زندگی کے لازم حال پانچ تغیر ہیں جو بلا کے	"الغرض پنجگانہ نمازیں کیا ہیں وہ تمہارے مختلف حالات کا فوٹو ہیں۔ یعنی تمہاری زندگی کے لازم حال پانچ تغیر ہیں۔ جو تم

مرزا صاحب

وقت تم پر وارد ہوتے ہیں اور تمھاری
فطرت کے لئے ان کا وارد ہونا ضروری
ہے۔

(۱) پہلے جبکہ تم مطلع کئے جاتے
ہو کہ تم پر ایک بلا آنے والی ہے مثلاً
جیسے تمھارے نام عدالت سے ایک
وارنٹ جاری ہوا یہ پہلی حالت ہے
جس نے تمہاری تسلّی اور خوشحالی میں
خلل ڈالا۔ سو یہ حالت زوال کے وقت
سے مشابہ ہے کیونکہ اس سے تمہاری
خوشحالی میں زوال آنا شروع ہوا اس
کے مقابل پر نمازِ ظہر متعین ہوئی جس
کا وقت زوالِ آفتاب سے شروع ہوتا
ہے۔

(۲) دوسرا تغیر اس وقت تم پر آتا
ہے جبکہ تم بلا کے محل سے بہت نزدیک
کئے جاتے ہو۔ مثلاً جبکہ تم بذریعہ
وارنٹ گرفتار ہو کر حاکم کے سامنے
پیش ہوتے ہو یہ وہ وقت ہے کہ جب
تمھارا خوف سے خون خشک ہوجاتا
ہے اور تسلی کا نور تم سے رخصت
ہونے کو ہوتا ہے سو یہ حالت تمھاری
اس وقت سے مشابہ ہے جب کہ
آفتاب سے نور کم ہوجاتا ہے اور
نظر اس پر جم سکتی ہے اور صریح نظر

تھانوی صاحب

پر وارد ہوتے ہیں اور تمہاری فطرت
کے لئے ان کا وارد ہونا ضرور ہے
جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

وجہ تعین نماز ظہر

(۱) پہلے جبکہ تم مطلع
کئے جاتے ہو۔ کہ تم پر
ایک بلا آنے والی ہے۔ مثلاً جیسے
تمہارے نام عدالت سے ایک وارنٹ جاری
ہو یہ پہلی حالت ہے جس نے تمہاری تسلی
اور خوشحالی میں خلل ڈالا۔ سو یہ حالت
زوال کے وقت سے مشابہ ہے کیونکہ
اس سے اپنی خوشحالی کے زوال کے مقدور
ہونے پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ اس
کے مقابل پر نماز ظہر متعین ہوئی جس کا
وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے۔

وجہ تعین نماز عصر

(۲) دوسرا تغیر اس وقت
تم پر آتا ہے جبکہ تم
بلا کے محل سے بہت نزدیک کئے جاتے
ہو۔ مثلاً جبکہ تم بذریعہ وارنٹ گرفتار
ہو کر حاکم کے سامنے پیش کئے جاتے ہو
یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارا خوف سے
خون خشک اور تسلی کا نور تم سے رخصت
ہونے کو ہوتا ہے سو یہ حالت تمہاری
اس وقت سے مشابہ ہے جبکہ آفتاب
سے نور کم ہوجاتا ہے اور نظر اس پر
جم سکتی ہے اور صریح نظر آتا ہے کہ

مرزا صاحب

آتا ہے کہ اب اس کا غروب نزدیک
ہے۔ اس روحانی حالت کے مقابل پر
نماز عصر مقرر ہوئی۔

(۳) تیسرا تغیر تم پر اس وقت آتا ہے
جو اس بلا سے رہائی پانے کی بکلّی امید
منقطع ہو جاتی ہے مثلاً جیسے تمہارے
نام فرد قرارداد جرم لکھی جاتی ہے اور
مخالفانہ گواہ تمہاری ہلاکت کے لئے
گزر جاتے ہیں یہ وہ وقت ہے کہ جب
تمہارے حواس خطا ہو جاتے ہیں اور
تم اپنے تئیں ایک قیدی سمجھنے لگتے
ہو۔ سو یہ حالت اس وقت سے مشابہ
ہے جبکہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور
تمام امیدیں دن کی روشنی کی ختم ہو جاتی
ہیں۔ اس روحانی حالت کے مقابل پہ
نماز مغرب مقرر ہے۔

(۴) چوتھا تغیر اس وقت تم پر آتا ہے
کہ جب بلا تم پر وارد ہی ہو جاتی ہے اور
اس کی سخت تاریکی تم پر احاطہ کر لیتی
ہے مثلاً جبکہ فرد قرارداد جرم اور
شہادتوں کے بعد حکم سزا تم کو سنایا
جاتا ہے اور قید کے لئے ایک پولیس مین
کے تم حوالہ کئے جاتے ہو۔ سو یہ حالت
اس وقت سے مشابہ ہے جبکہ رات
پڑ جاتی ہے اور ایک سخت اندھیرا

تھانوی صاحب

اب غروب نزدیک ہے اس روحانی
حالت کے مقابل نماز عصر مقرر ہوئی ہے

وجہ تعین نماز مغرب

(۳) تیسرا تغیر تم پر اس
وقت آتا ہے۔ جب اس
بلا سے رہائی پانے کی بکلّی امید منقطع
ہو جاتی ہے۔ مثلاً تمہارے نام فرد
قرارداد جرم لکھی جاتی ہے اور مخالفانہ
گواہ تمہاری ہلاکت کے لئے گزر جاتے
ہیں یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارے
اوسان خطا ہو جاتے ہیں اور تم اپنے
تئیں ایک قیدی سمجھنے لگتے ہو سو یہ
حالت اُس وقت سے مشابہ ہے جبکہ
آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور تمام
ہوسناکی کی امیدیں دن کی روشنی کی ختم
ہو جاتی ہیں۔ اس روحانی حالت کے
مقابل پہ نماز مغرب مقرر ہے۔ تاکہ اس
ہول دل کا معالجہ ہو۔

وجہ تعین نماز عشاء

(۴) چوتھا تغیر تم پر اس
وقت آتا ہے جب
بلا تم پر احاطہ کر لیتی ہے مثلاً جبکہ
فرد قرارداد جرم اور شہادتوں کے بعد
حکم سزا تم کو سنایا جاتا ہے اور قید کے
لئے ایک پولیس مین کے تم حوالے کئے
جاتے ہو سو یہ حالت اس حالت سے
مشابہ ہے جبکہ رات پڑ جاتی ہے اور

مرزا صاحب

پڑ جاتا ہے۔ اس روحانی حالت کے مقابل پر نمازِ عشاء مقرر ہے۔

(۵) پھر جبکہ تم ایک مدت تک اس مصیبت کی تاریکی میں بسر کرتے ہو تو پھر آخر خدا کا رحم تم پر جوش مارتا ہے اور تمہیں اس تاریکی سے نجات دیتا ہے۔ مثلاً جیسے تاریکی کے بعد پھر آخر کار صبح نکلتی ہے اور پھر وہی روشنی دن کی اپنی چمک کے ساتھ ظاہر ہو جاتی ہے۔ سو اس روحانی حالت کے مقابل پر نمازِ فجر مقرر ہے اور خدا نے تمہارے فطرتی تغیرات میں پانچ حالتیں دیکھ کر پانچ نمازیں تمہارے لئے مقرر کیں۔ اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ نمازیں خاص تمہارے نفس کے فائدہ کیلئے ہیں۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ ان بلاؤں سے بچے رہو تو تم پنجگانہ نمازوں کو ترک نہ کرو کہ وہ تمہاری اندرونی اور روحانی تغیرات کا ظل ہیں۔ نماز میں آنے والی بلاؤں کا علاج ہے تم نہیں جانتے کہ نیا دن چڑھنے والا کس قسم کے قضاء و قدر تمہارے لئے لائے گا پس قبل اس کے جو دن چڑھے تم اپنے مولا کی جناب میں تضرع کرو کہ تمہارے لئے خیر و برکت کا دن چڑھے۔"

(صفحہ ۶۳ تا ۶۵)

تھانوی صاحب

ایک سخت اندھیرا چھا جاتا ہے اس روحانی حالت کے مقابلہ پر نمازِ عشاء مقرر ہوئی ہے۔

وجہ تعیین نمازِ فجر

(۵) پھر جبکہ تم مدت تک اس مصیبت کی تاریکی میں بسر کرتے ہو تو پھر آخر خدا کا رحم تم پر جوش مارتا ہے اور تمہیں اس تاریکی سے نجات دیتا ہے اور تاریکی کے بعد آخر کار پھر صبح نکلتی ہے اور پھر وہی روشنی دن کی اپنی چمک کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے سو اس حالتِ نورانی کے مقابل پر نمازِ فجر مقرر ہے خدا تعالیٰ نے تمہارے فطرتی تغیرات میں پانچ نمازیں تمہارے لئے مقرر کیں۔ اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ نمازیں خاص تمہارے نفس کے فائدہ کے لئے ہیں۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ ان بلاؤں سے بچے رہو تو تم پنجگانہ نمازوں کو ترک نہ کرو کہ وہ تمہارے اندرونی اور روحانی تغیرات کا ظل ہیں وہ آنے والی بلاؤں کا علاج ہیں تم نہیں جانتے کہ یہ نیا دن کس قسم کی قضاء و قدر تمہارے لئے لائے گا پس تم قبل اس کے کہ دن چڑھے اپنے مولا کی جناب میں تضرع کرو تاکہ تمہارے لئے خیر و برکت کا دن چڑھے۔"

(صفحہ ۴۹ تا ۵۱)

قویٰ انسانی کا استعمال

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں جو مختلف خواص رکھے ہیں ان میں کیا حکمتیں ہیں اور اُن کے استعمال کے قرآنِ شریف نے جو مواقع تجویز فرمائے ہیں، ان میں کیا راز ہے۔ حضرت مولانا تھانوی اپنی کتاب کے لیئے اس موضوع پر غور و فکر اور مطالعہ فرما رہے تھے۔ تلاش و تحقیق کے دوران مرزا صاحب کی کتاب "نسیم دعوت" انہیں ملی۔ انہوں نے یہ کتاب پڑھی اور محسوس کیا کہ انسانی قویٰ کے استعمال کے جو طریقے مرزا صاحب نے قرآن شریف پر تدبّر کرنے کے بعد بیان کیے ہیں اُن سے بہتر نکات بیان نہیں کیے جا سکتے چنانچہ انہوں نے مرزا صاحب کی کتاب کا یہ اقتباس پسند فرمایا اور اپنی کتاب کو اس سے آراستہ فرما لیا۔ ملاحظہ ہو:۔

مرزا صاحب	مولانا تھانوی صاحب
"نسیم دعوت"	"احکامِ اسلام عقل کی نظر میں"
(مطبوعہ ۱۹۰۳ء)	(مطبوعہ مئی ۱۹۷۸ء)
"انسان کی فطرت پر نظر کر کے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مختلف قویٰ اس غرض سے دیئے گئے ہیں کہ تا وہ مختلف وقتوں میں حسبِ تقاضا محل اور موقعہ کے ان قویٰ کو استعمال کرے مثلاً انسان میں منجملہ اَور خلقوں کے ایک	"انسان کی فطرت پر نظر کر کے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو مختلف قویٰ اِس غرض سے دیئے گئے ہیں تا کہ وہ مختلف وقتوں میں حسب تقاضائے محل اور موقع قویٰ کو استعمال کرے گا۔ انسان میں منجملہ اور خلقوں کے ایک خلق

مرزا صاحب

خلق بکری کی فطرت سے مشابہ ہے اور
دوسرا خلق شیر کی صفت سے مشابہت
رکھتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ انسان سے
یہ چاہتا ہے کہ وہ بکری بننے کے محل
میں بکری بن جائے۔ اور شیر بننے کے
محل میں وہ شیر بن جائے۔ اور خدا
تعالیٰ ہرگز نہیں چاہتا کہ وہ ہر وقت
اور ہر محل میں بکری ہی بنا رہے۔ اور
نہ یہ کہ ہر جگہ وہ شیر ہی بنا رہے۔ اور
جیسا کہ وہ نہیں چاہتا کہ ہر وقت انسان
سوتا ہی رہے یا ہر وقت جاگتا ہی رہے
یا ہر دم کھاتا ہی رہے یا ہمیشہ کھانے
سے منہ بند رکھے۔ اسی طرح وہ یہ
بھی نہیں چاہتا کہ انسان اپنی اندرونی
قوتوں میں سے صرف ایک قوت پر
زور ڈال دے۔ اور دوسری قوتیں جو
خدا کی طرف سے اس کو ملی ہیں اُن کو
لغو سمجھے۔ اگر انسان میں خدا نے ایک
قوت حلم اور نرمی اور درگذر اور
صبر کی رکھی ہے تو اسی خدا نے اس
میں ایک قوت غضب اور خواہش
انتقام کی بھی رکھی ہے۔ پس کیا
مناسب ہے کہ ایک خداداد قوت
کو تو حد سے زیادہ استعمال کیا جائے
اور دوسری قوت کو اپنی فطرت میں سے

تھانوی صاحب

بکری کی فطرت سے مشابہ ہے اور دوسرا
خلق شیر کی صفت سے مشابہت رکھتا
ہے۔ پس خدا تعالیٰ انسان سے یہ چاہتا
ہے کہ وہ بکری بننے کے محل میں بکری بن
جائے اور شیر بننے کے محل میں وہ شیر
بن جائے اور خدا تعالیٰ ہرگز نہیں
چاہتا کہ وہ ہر وقت ہر محل میں بکری ہی
بنا رہے اور نہ یہ کہ ہر جگہ وہ شیر ہی
بنا رہے اور جیسا کہ وہ یہ نہیں چاہتا
کہ ہر وقت انسان سوتا ہی رہے یا ہر
وقت جاگتا ہی رہے یا ہر دم کھاتا ہی
رہے یا ہمیشہ کھانے سے منہ بند رکھے
اسی طرح وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ انسان
اپنی اندرونی قوتوں میں سے صرف ایک
قوت پر زور ڈالدے اور دوسری
قوتیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو
ملی ہیں ان کو لغو سمجھے اگر خدا نے
انسان میں ایک قوت حلم اور نرمی اور
درگزر اور صبر کی رکھی ہے تو اُسی خدا
نے اس میں ایک قوتِ غضب اور
خواہش انتقام کی بھی رکھی ہے۔ پس
کیا مناسب ہے کہ ایک خداداد قوت
کو تو حد سے زیادہ استعمال کیا جائے
اور دوسری قوت کو اپنے میں سے کاٹ
کر پھینک دیا جاوے اس کو خدا پر

مولانا تھانوی	مرزا صاحب
اعتراض آتا ہے۔گویا اس نے بعض قوتیں انسان کو ایسی دی ہیں جو استعمال کے لائق نہیں۔کیونکہ یہ مختلف قوتیں اسی نے تو انسان میں پیدا کی ہیں۔پس یاد رہے کہ انسان میں کوئی بھی قوت بُری نہیں ہے بلکہ ان کی بداستعمالی بُری ہے۔" (صفحہ ۲۲۳)	بکلی کاٹ کر پھینک دیا جائے۔اس سے تو خدا پر اعتراض آتا ہے کہ گویا اُس نے بعض قوتیں انسان کو ایسی دی ہیں جو استعمال کے لائق نہیں۔کیونکہ یہ مختلف قوتیں اُسی نے تو انسان میں پیدا کیں۔پس یاد رہے کہ انسان میں کوئی بھی قوت بُری نہیں ہے۔بلکہ اُن کی بداستعمالی بُری ہے۔" (صفحہ ۶۹)

یہاں تک تو حضرت تھانوی نے مرزا صاحب کی عبارت مسلسل نقل کر دی۔ اس کے بعد کی عبارت حذف کر دی کیونکہ مرزا صاحب اپنی کتاب میں اسلام کی کامل اور انجیل کی ناقص تعلیم کا مقابلہ کر رہے تھے اور ثابت کر رہے تھے کہ قرآن شریف نے انسانی قوئی اور انسانی قوتوں سے کام لینے کے جو طریقے مقرر فرمائے ہیں وہ انجیل کی تعلیم سے بدرجہا افضل اور کامل ہیں۔مرزا صاحب کی جو عبارت حضرت تھانوی نے حذف کر دی وہ یہ ہے:-

"سو انجیل کی تعلیم نہایت ناقص ہے جس میں ایک ہی پہلو پر زور ڈال دیا گیا ہے۔ علاوہ اس کے دعویٰ تو ایسی تعلیم کا ہے کہ ایک طرف طمانچہ کھا کر دوسری بھی پھیر دیں۔مگر اس دعویٰ کے موافق عمل نہیں ہے مثلاً ایک پادری صاحب کو کوئی طمانچہ مار کر دیکھ لے کہ پھر عدالت کے ذریعہ سے وہ کیا کارروائی کراتے ہیں پس یہ تعلیم کس کام کی ہے جس پر نہ عدالتیں چل سکتی ہیں نہ پادری چل سکتے ہیں۔ اصل تعلیم قرآن شریف کی ہے جو حکمت اور موقع شناسی پر مبنی ہے مثلاً انجیل نے تو یہ کہا کہ ہر وقت تم لوگوں کے طمانچے کھاؤ اور کسی حالت میں شر کا مقابلہ نہ کرو۔" (صفحہ ۷۰)

حضرت تھانوی نے یہ عبارت اس لئے حذف کر دی کہ یہ ان کی کتاب میں فِٹ

نہیں بیٹھی تھی۔ کیونکہ ان کا موضوع قرآن اور انجیل کا مقابلہ نہ تھا۔ مرزا صاحب کی مندرجہ بالا عبارت کے فوراً بعد کی عبارت حضرت تھانوی نے من وعن نقل فرمادی۔ ملاحظہ کیجئے :۔

مرزا صاحب

”مگر قرآن شریف اس کے مقابل پر یہ کہتا ہے :۔

جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا

فمن عفی واصلح فاجرہ علی اللہ

یعنی اگر کوئی تمہیں دکھ پہونچاوے مثلاً دانت توڑ دے یا آنکھ پھوڑ دے تو اس کی سزا اسی قدر بدی ہے جو اس نے کی لیکن اگر تم ایسی صورت میں گناہ معاف کردو کہ اس معافی کا کوئی نیک نتیجہ پیدا ہو اور اس سے کوئی اصلاح ہو سکے یعنی مثلاً مجرم آئندہ اس عادت سے باز آجائے تو اس صورت میں معاف کرنا ہی بہتر ہے اور اس معاف کرنے کا خدا سے اجر ملے گا۔

اب دیکھو اس آیت میں دونوں پہلو کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اور عفو اور انتقام کو مصلحت وقت سے وابستہ کردیا گیا ہے۔ سو یہی حکیمانہ مسلک ہے جس پر نظام عالم کا چل رہا ہے رعایت محل اور وقت سے گرم اور سرد دونوں کا استعمال کرنا ہی عقلمندی

تھانوی صاحب

”قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا

فمن عفی واصلح فاجرہ علی اللہ

یعنی اگر کوئی تمہیں دکھ پہنچاوے مثلاً دانت توڑ دے یا آنکھ پھوڑ دے تو اس کی سزا اسی قدر بدی ہے جو اس نے کی۔ لیکن اگر تم ایسی صورت میں گناہ معاف کردو کہ اس معافی کا کوئی نیک نتیجہ پیدا ہو اور اس سے کوئی اصلاح ہو سکے یعنی مثلاً مجرم آئندہ اس عادت سے باز آجائے تو اس صورت میں معاف کرنا ہی بہتر ہے اور اس معاف کرنے کا خدا سے اجر ملے گا۔

اس آیت میں دونوں پہلوؤں کی رعایت رکھی گئی ہے اور عفو اور انتقام کو مصلحت وقت سے وابستہ کردیا گیا ہے سو یہی حکیمانہ مسلک ہے جس پر نظام عالم کا چل رہا ہے۔ رعایت محل اور وقت سے گرم اور سرد دونوں کا استعمال کرنا ہی عقل مندی ہے

مرزا صاحب

ہے۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ہم ایک
ہی قسم کی غذا پر ہمیشہ زور نہیں ڈال
سکتے۔ بلکہ حسب موقع گرم اور سرد
غذائیں بدلتے رہتے ہیں۔ اور جاڑے
اور گرمی کے وقتوں میں کپڑے بھی مناسب
حال بدلتے رہتے ہیں۔ پس اسی طرح
ہماری اخلاقی حالت بھی حسب موقع
تبدیلی کو چاہتی ہے۔ ایک وقت رعب
دکھلانے کا مقام ہوتا ہے وہاں نرمی
اور درگذر سے کام بگڑتا ہے اور
دوسرے وقت نرمی اور تواضع کا موقع
ہوتا ہے اور وہاں رعب دکھلانا سفلہ
پن سمجھا جاتا ہے۔ غرض ہر ایک وقت
اور ہر ایک مقام ایک بات کو چاہتا
ہے۔ پس جو شخص رعایت مصالح اوقات
نہیں کرتا وہ حیوان ہے نہ انسان۔
اور وہ وحشی ہے نہ مہذب۔"

(صفحہ ۷۰)

مولانا تھانوی

جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ہم ایک ہی قسم
کی غذا پر ہمیشہ زور نہیں ڈال سکتے
بلکہ حسب موقع گرم اور سرد غذائیں
بدلتے رہتے ہیں اور جاڑے اور
گرمی کے وقتوں میں کپڑے بھی مناسب
حال بدلتے رہتے ہیں۔

پس اسی طرح ہماری اخلاقی حالت بھی
حسب موقع تبدیلی کو چاہتی ہے ایک
وقت غصّہ دکھلانے کا مقام ہوتا ہے
وہاں نرمی اور درگذر سے کام بگڑتا ہے
اور دوسرے وقت نرمی اور تواضع کا
موقع ہوتا ہے وہاں رعب دکھلانا
سفلہ پن سمجھا جاتا ہے غرض ہر ایک وقت
غرض ہر ایک وقت اور ہر ایک مقام ایک بات
کو چاہتا ہے۔ پس جو شخص رعایت مصالحِ
اوقات نہیں کرتا وہ حیوان ہے نہ انسان۔
اور وہ وحشی ہے نہ مہذب۔"

(صفحہ ۲۲۴)

پردہ کی حکمتیں

۱۸۹۶ء میں مرزا صاحب کو لاہور کے ایک جلسے میں تقریر کرنے کی غرض سے مدعو کیا گیا۔ جلسے کا انتظام ایک ہندو فاضل نے کیا تھا اور ہر مذہب کے علماء و اکابر کو اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے کی دعوت دی تھی۔ مرزا صاحب نے اس جلسے کے لئے تقریر لکھی تھی جو اُن کے ایک مرید نے پڑھ کر سنائی تھی۔ یہ تقریر کتابی صورت میں ۱۸۹۶ء ہی میں "تقریر جلسۂ مذاہب" کے عنوان سے شائع ہو گئی تھی۔ راقم نے تحقیق کی تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے بعد "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے عنوان سے یہی کتاب بہت دفعہ شائع ہوئی۔

مرزا صاحب نے اس کتاب میں ایک مقام پر قرآن شریف کی سورۃ النور سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الحدید سے بہت سی آیات اپنے دعویٰ کی دلیل کے طور پر پیش کی تھیں اور ان کا اردو ترجمہ بھی خود کیا تھا۔ حضرت تھانوی نے اپنی اس کتاب میں نہ صرف مرزا صاحب کی کتاب کی عبارتوں کی عبارتیں نقل کر دیں بلکہ قرآن شریف کی آیات کا ترجمہ بھی وہی نقل کر دیا اور تشریح بھی وہی اپنی کتاب میں شامل کر لی جو مرزا صاحب نے کی تھی۔ پہلے ترجمہ و تشریح کا موازنہ ملاحظہ ہو۔

مرزا صاحب	تھانوی صاحب
"تقریر جلسۂ مذاہب"	"احکام اسلام عقل کی نظر میں"
(۱۸۹۶ء طبع چہارم)	(مئی ۱۹۷۸ء)
"یعنی ایمانداروں کو جو مرد ہیں کہہ دے کہ آنکھوں کو نامحرم عورتوں	(ترجمہ) "یعنی ایماندار مردوں کو کہہ دے کہ آنکھوں کو نامحرم عورتوں کے دیکھنے

مرزا صاحب

کہ دیکھنے سے بچائے رکھیں اور ایسی
عورتوں کو کھلے طور سے نہ دیکھیں جو
شہوت کا محل ہو سکتی ہوں اور ایسے
موقع پر خوابیدہ نگاہ کی عادت پکڑیں
اور اپنے ستر کی جگہ کو جس طرح ممکن
ہو بچاویں ایسا ہی کانوں کو نامحرموں
سے بچاویں یعنی بیگانہ عورتوں کے
گانے بجانے اور خوش الحانی کی
آوازیں نہ سنیں۔ ان کے حسن کے
قصے نہ سنیں یہ طریق پاک نظر اور
پاک دل رہنے کے لئے عمدہ طریق ہے
ایسا ہی ایماندار عورتوں کو کہدے کہ
وہ بھی اپنی آنکھوں کو نامحرم مردوں
کے دیکھنے سے بچائیں یعنی ان کی
پُرشہوات آوازیں نہ سنیں اور اپنے
ستر کی جگہ کو پردہ میں رکھیں۔ اور اپنی
زینت کے اعضاء کو کسی غیر محرم
پر نہ کھولیں اور اپنی اوڑھنی کو اس
طرح سر پر لیں کہ گریبان سے ہو کر سر
پر آجائے یعنی گریبان اور دونوں کان
اور سر اور کنپٹیاں سب چادر کے
پردہ میں رہیں اور اپنے پیروں کو زمین
پر ناچنے والوں کی طرح نہ ماریں۔ یہ
وہ تدبیر ہے کہ جس کی پابندی ٹھوکر
سے بچا سکتی ہے۔ اور دوسرا طریق

مولانا تھانوی

سے بچائے رکھیں یعنی ایسی عورتوں
کو کھلے طور نہ دیکھیں جو شہوت کا
محل ہو سکتی ہوں۔ اور ایسے موقع پر
نگاہ کو پست رکھیں اور اپنی ستر کی
جگہ کو جس طرح ممکن ہو بچاویں۔
(ایسا ہی کانوں کو نامحرموں سے
بچاویں یعنی بیگانے کے گانے بجانے
اور خوش الحانی کی آوازیں نہ سنیں
ان کے حسن کے قصے نہ سنیں جیسا
دوسری نصوں میں ہے) یہ طریق نظر
اور دل کے پاک رہنے کے لئے عمدہ
طریق ہے ایسا ہی ایماندار عورتوں
کو کہدے کہ وہ بھی اپنی انکھوں کو
نامحرم مردوں کے دیکھنے سے بچائیں
(نیز ان کی پُرشہوات آوازیں نہ سنیں
جیسا دوسری نص میں ہے) اپنے
ستر کی جگہ کو پردہ میں رکھیں اور اپنے
زینت کے اعضاء کو کسی غیر محرم پر نہ
کھولیں اور اپنی اوڑھنی کو اس طرح
سر پر لیں کہ گریبان سے ہو کر سر پر آجائے
یعنی گریبان اور دونوں کان اور سر
اور کنپٹیاں سب چادر کے پردہ میں
رہیں اور اپنے پیروں کو زمین پر (ناچنے
والیوں کی طرح) نہ ماریں (یہ وہ تدبیر
ہے کہ جس کی پابندی ٹھوکر سے بچا سکتی

مرزا صاحب

بچنے کے لئے یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی
طرف رجوع کریں اور اس سے دعا
کریں تا ٹھوکر سے بچاوے اور لغزشوں
سے نجات دے۔ زنا کے قریب مت
جاؤ یعنی ایسی تقریبوں سے دور رہو
جن سے یہ خیال بھی دل میں پیدا ہو سکتا
ہو اور ان راہوں کو اختیار نہ کرو جن
سے اس گناہ کے وقوع کا اندیشہ ہو جو
زنا کرتا ہے وہ بدی کو انتہا تک پہنچا
دیتا ہے۔ زنا کی راہ بہت بُری راہ ہے
یعنی منزل مقصود سے روکتی ہے اور
تمہاری آخری منزل کے لئے سخت
خطرناک ہے اور جس کو نکاح میسر
نہ آوے چاہیئے کہ وہ اپنی عفت کو
دوسرے طریقوں سے بچاوے۔ مثلاً
روزہ رکھے یا کم کھاوے یا اپنی طاقتوں
سے تن آزار کام لے اور لوگوں نے
یہ بھی طریق نکالے ہیں کہ وہ ہمیشہ عمداً
نکاح سے دست بردار رہیں یا خوجے
بنیں اور کسی طریق سے رہبانیت
اختیار کریں مگر ہم نے انسان پر یہ
حکم فرض نہیں کئے اس لئے وہ ان
بدعتوں کو پورے طور پر نباہ نہ سکے
خدا کا یہ فرمانا کہ ہمارا یہ حکم نہیں کہ
لوگ خوجے بنیں۔ یہ اس بات کی

مولانا تھانوی

ہے) اور (دوسرا طریق بچنے کے لئے
یہ ہے کہ) خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرو
(اور اس سے دعا کرو تا کہ ٹھوکر سے
بچاوے اور لغزشوں سے نجات دے)
زنا کے قریب مت جاؤ یعنی ایسی تقریبوں
سے دور رہو جن سے یہ خیال بھی دل
میں پیدا ہو سکتا ہے اور ان راہوں
کو اختیار نہ کرو جن سے اس گناہ
کے وقوع کا اندیشہ ہو زنا کرنا نہایت
درجہ کی بے حیائی ہے۔ زنا کی راہ بہت
بُری ہے۔ یعنی منزل مقصود سے روکتی
ہے۔ اور تمہاری اُخروی منزل کے
لئے سخت خطرناک ہے اور جس کو نکاح
میسّر نہ آوے۔ چاہیئے کہ وہ اپنے تئیں
دوسرے طریقوں سے بچاوے۔ مثلاً
روزہ رکھے یا کم کھاوے یا اپنی طاقتوں
سے تن آزاد کام لے اور ان لوگوں نے
یہ طریق بھی نکالے تھے۔ کہ وہ ہمیشہ عمداً
نکاح وغیرہ سے دست بردار رہے یا
خوجے (مخنث) بن گئے یا اور کسی
طریق سے انہوں نے رہبانیت اختیار
کی۔ مگر ہم نے ان پر یہ حکم فرض نہیں
کیا اور پھر وہ ان بدعتوں کو بھی پورے
طور پر نباہ نہ سکے۔ خدا تعالیٰ کے قول
کے عموم میں یہ مضمون کہ ہمارا یہ حکم

مرزا صاحب

طرف اشارہ ہے کہ اگر خدا کا حکم ہوتا
تو سب لوگ اس حکم پر عمل کرنے کے
مجاز بنتے تو اس صورت میں بنی آدم کی
قطعِ نسل ہو کر کبھی کا دنیا کا خاتمہ ہو
جاتا اور نیز اگر اس طرح پر عفّت
حاصل کرنی ہو کہ عضو مردمی کو کاٹ
دیں تو یہ درپردہ اس صانع پر اعتراض
ہے جس نے وہ عضو بنایا اور نیز جبکہ
ثواب کا تمام مدار اس بات پر ہے کہ
ایک قوت موجود ہو اور پھر انسان
خدائے تعالیٰ کا خوف کر کے اس
قوت کے خراب جذبات کا مقابلہ کرتا
رہے اور اس کے منافع سے فائدہ
اٹھا کر دو طور کا ثواب حاصل کرے۔
پس ظاہر ہے کہ ایسے عضو کے ضائع
کر دینے میں دونوں ثوابوں سے محروم
رہا۔ ثواب تو جذبۂ مخالفانہ کے وجود
اور پھر اس کے مقابلہ سے ملتا ہے
مگر جس میں بچہ کی طرح وہ قوت ہی
نہیں رہی اس کو کیا ثواب ملے گا۔ کیا
بچہ کو اپنی عفّت کا ثواب مل سکتا ہے؟"

(صفحہ ۳۲-۳۳)

مولانا تھانوی

نہیں کہ لوگ خوجے بنیں۔ یہ اس بات
کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اگر خدا کا حکم
ہوتا اور سب لوگ اس پر عمل کرتے
ہوتے تو اس صورت میں بنی آدم کی
قطع نسل ہو کر کبھی کا دنیا کا خاتمہ ہو چکا
اور نیز اگر اس طرح پر عفت حاصل
کرنا ہو کہ عضو مردمی کو کاٹ دیا جاوے
یہ درپردہ اس صانع پر اعتراض ہے
جس نے وہ عضو بنایا اور نیز ثواب کا
تمام مدار تو اس بات پر ہے کہ
قوت موجود ہو اور پھر انسان خدا
تعالیٰ کا خوف کر کے ممانعت کی جگہ
اس قوت کے جذبات کا مقابلہ کر کے
اور اجازت کی جگہ اس کے منافع سے
فائدہ اٹھا کر دو طور کا ثواب حاصل
کر لے اور جس میں بچہ کی طرح وہ
قوت ہی نہیں رہی اس کو ثواب کیا
ملے گا۔ کیا بچہ کو عفت کا ثواب مل
سکتا ہے؟"

(صفحہ ۱۶۶ تا ۱۶۸)

آپ نے دونوں کی تحریروں کا مقابلہ کر لیا۔ حضرت تھانوی کا ترجمہ اور تشریح دونوں مرزا صاحب کی کتاب کی نقل ہے سوائے معمولی اور لفظی تغیر کے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت تھانوی مرزا صاحب کے ترجمے کو مستند

سمجھتے تھے اور ان کے خیال میں مرزا صاحب آیاتِ قرآنی کی تشریح و تفسیر کے بھی اہل و مجاز تھے جبھی تو حضرت نے مرزا صاحب کی تشریح اور تفسیر اپنی کتاب میں درج فرمائی۔

مرزا صاحب نے آیاتِ قرآنی کی تشریح کرنے کے بعد پھر بتایا تھا کہ اسلام نے دل و نگاہ کو پاک رکھنے کے لئے کیا طریقے تجویز کئے ہیں۔ انہوں نے بڑے زور دار دعوے سے اعلان کیا کہ پاکدامن رہنے کے یہ طریقے صرف اور صرف اسلام سے خاص ہیں۔ حضرت تھانوی نے مرزا صاحب کی کتاب کی یہ ساری عبارت جو خاصی طویل ہے اپنی کتاب میں نقل فرما دی۔ ملاحظہ ہو:—

مرزا صاحب	مولانا تھانوی صاحب
"پاکدامن رہنے کیلئے پانچ علاج: ان آیات میں خدائے تعالیٰ نے خلق احصان یعنی عفت کے حاصل کرنیکے لئے صرف اعلیٰ تعلیم ہی نہیں فرمائی بلکہ انسان کو پاکدامن رہنے کے لئے پانچ علاج بھی بتلا دیئے ہیں۔ یعنی یہ کہ (۱) اپنی آنکھوں کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے بچانا (۲) کانوں کو نامحرموں کی آواز سننے سے بچانا (۳) نامحرموں کے قصے نہ سُننا اور (۴) ایسی تمام تقریبوں سے جن میں اس بدفعل کا اندیشہ ہو اپنے تئیں بچانا۔ (۵) اگر نکاح نہ ہو تو روزہ رکھنا وغیرہ۔ اسجگہ ہم بڑے دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ اعلیٰ تعلیم ان سب	"ان آیات میں مع دیگر نصوص کے کے خدا تعالیٰ نے خلق احصان یعنی عفت حاصل کرنے کے لئے صرف اعلیٰ تعلیم ہی نہیں فرمائی بلکہ انسان کو پاک دامن رہنے کے لئے کافی علاج بھی بتلا دیئے یعنی یہ کہ اپنی آنکھوں کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے بچانا کانوں کا نامحرموں کی آواز سننے سے بچانا نامحرموں کے قصے نہ سننا اور ایسی تمام تقریبوں سے جن میں کہ اس فعل بد کا اندیشہ ہو اپنے تئیں بچانا۔ اور اگر نکاح نہ ہو سکے تو روزہ رکھنا وغیرہ۔ یہ اعلیٰ تعلیم ان سب تدبیروں کے ساتھ جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں صرف اسلام ہی سے خاص ہے اور اس جگہ ایک

مرزا صاحب

تدبیروں کے ساتھ جو قرآن شریف نے
بیان فرمائی ہیں صرف اسلام سے ہی
خاص ہے۔ اور اس جگہ ایک نکتہ یاد
رکھنے کے لائق ہے اور وہ یہ ہے کہ
چونکہ انسان کی وہ طبعی حالت جو
شہوات کا منبع ہے جس سے انسان
بغیر کسی کامل تغیر کے الگ نہیں ہو سکتا
یہی ہے کہ اس کے جذباتِ شہوت محل
اور موقع پاکر جوش مارنے سے رہ
نہیں سکتے۔ یا یوں کہو کہ سخت خطرہ
میں پڑ جاتے ہیں اس لئے خدائے تعالیٰ
نے ہمیں یہ تعلیم نہیں دی کہ ہم نامحرم
عورتوں کو بلا تکلف دیکھ تو لیا کریں
اور ان کی تمام زینتوں پر نظر ڈال لیں
اور ان کے تمام انداز ناچنا وغیرہ
مشاہدہ کرلیں۔ لیکن پاک نظر سے
دیکھیں اور نہ یہ تعلیم ہمیں دی ہے کہ
ہم ان بیگانہ جوان عورتوں کا گانا
بجانا سن لیں اور ان کے حسن کے
قصے بھی سنا کریں۔ لیکن پاک
خیال سے سنیں بلکہ ہمیں تاکید ہے
کہ ہم نامحرم عورتوں کو اور ان کی
زینت کی جگہ کو ہرگز نہ دیکھیں۔ نہ
پاک نظر سے اور نہ ناپاک نظر سے
اور ان کی خوش الحانی کی آوازیں

مولانا تھانوی

نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے اور وہ یہ
ہے کہ چونکہ انسان کی وہ طبعی حالت
جو شہوت کا منبع ہے جس سے
انسان بغیر کسی کامل تغیر کے الگ نہیں
ہو سکتا، ایسی ہے کہ اس کے جذبات
محل اور موقع پاکر جوش مارنے سے
رہ نہیں سکتے یا اگر باز بھی رہ سکے
تاہم سخت خطرہ میں پڑ جاتے ہیں۔
اس لئے خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ تعلیم
نہیں دی کہ ہم نامحرم عورتوں کو
بلا تکلف دیکھ تو لیا کریں اور ان
کی تمام زینتوں پر نظر بھی ڈال لیں
اور ان کے تمام ناز انداز ناچنا وغیرہ
بھی مشاہدہ کرلیں لیکن پاک نظر سے
دیکھیں اور نہ ہم کو یہ تعلیم دی ہے
کہ ہم ان بیگانہ جوان عورتوں کا گانا
بجانا سن لیں اور ان کے حسن کے
قصے بھی سنا کریں۔ لیکن پاک خیال
سے نہیں بلکہ ہمیں تاکید ہے کہ ہم
نامحرم عورتوں کو اور ان کی زینت
کی جگہ کو ہرگز نہ دیکھیں نہ پاک
نظر سے اور نہ ناپاک نظر سے۔ اور
ان کی خوش الحانی کی آوازیں اور
ان کے حسن کے قصے نہ سنیں نہ
پاک خیال سے اور نہ ناپاک خیال سے۔

مرزا صاحب

اوران کے حسن کے قصے نہ سنیں نہ
پاک خیال سے اور نہ ناپاک خیال سے
بلکہ ہمیں چاہیئے کہ ان کے سننے اور
دیکھنے سے نفرت رکھیں جیسا کہ مردار
سے تا ٹھوکر نہ کھادیں کیونکہ ضرور
ہے کہ بے قیدی کی نظروں سے کسی
وقت ٹھوکریں پیش آویں۔ سو چونکہ
خدائے تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہماری
آنکھیں اور دل اور ہمارے خطرات
سب پاک رہیں اس لئے اُس نے یہ
اعلیٰ درجہ کی تعلیم فرمائی اس میں
کیا شک ہے کہ بے قیدی ٹھوکر
کا موجب ہوجاتی ہے اگر ہم ایک
بھوکے کتے کے آگے نرم نرم روٹیاں
رکھدیں اور پھر امید رکھیں کہ اس
کتے کے دل میں خیال تک ان روٹیوں
کا نہ آوے تو ہم اپنے اس خیال میں
غلطی پر ہیں۔ سو خدائے تعالےٰ نے
چاہا کہ نفسانی قویٰ کو پوشیدہ
کارروائیوں کا موقع بھی نہ ملے
اور ایسی کوئی بھی تقریب پیش نہ
آوے جس سے بدخطرات جنبش
کرسکیں۔

اور ہر ایک پرہیزگار جو اپنے
دل کو پاک رکھنا چاہتا ہے اس

مولانا تھانوی

بلکہ ہمیں چاہیئے کہ ان کے سننے اور
دیکھنے ہی سے ایسی نفرت رکھیں جیسا
کہ مردار سے تاکہ ٹھوکر نہ کھادیں۔
کیونکہ ضرور ہے کہ بے قیدی کی
نظروں سے کسی وقت ٹھوکریں پیش
آئیں۔ سو چونکہ خداتعالیٰ چاہتا ہے
کہ ہماری آنکھیں اور دل اور ہمارے
خطرات سب پاک رہیں۔ اس لئے
اس نے یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم فرمائی۔
اور اس میں کیا شک ہے کہ بے
قیدی ضرور گناہ کا موجب ہوجاتی
ہے۔ اگر ہم بھوکے کتے کے آگے
نرم نرم روٹیاں رکھدیں اور پھر امید
رکھیں کہ اس کتے کے دل میں خیال
تک ان روٹیوں کا نہ آدے تو ہم
اپنے اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ سو
خدا نے چاہا نفسانی قویٰ کو
پوشیدہ کارروائیوں کا موقع بھی نہ
ملے اور ایسی کوئی تقریب پیش نہ
آوے جس سے یہ خطرات جنبش
کرسکیں۔

اور ہر ایک پرہیزگار جو اپنے
دل کو پاک رکھنا چاہتا ہے اسکو
نہیں چاہیئے کہ حیوانوں کی طرح جس
طرف چاہے بے محابا نظر اٹھا کر

مرزا صاحب	مولانا تھانوی
کو نہیں چاہیئے کہ حیوانوں کی طرح جس طرف چاہے بے محابا نظر اٹھا کر دیکھ لیا کرے۔ بلکہ اس کے لئے اس تمدنی زندگی میں غضِ بصر کی عادت ڈالنا ضروری ہے اور یہ وہ مبارک عادت ہے جس سے اس کی یہ طبعی حالت ایک بھاری خلق کے رنگ میں آ جائے گی اور اس کی تمدنی ضرورت میں بھی فرق نہیں پڑے گا۔ یہی وہ خلق ہے جس کو احصان اور عفت کہتے ہیں۔" (صفحہ ۳۴-۳۵)	دیکھ لیا کرے۔ بلکہ اس کے لئے اس تمدنی زندگی میں غضِ بصر کی عادت ڈالنا ضروری ہے اور یہ مبارک عادت ہے جس سے اس کی یہ طبعی حالت ایک بھاری خلق کے رنگ میں آ جائے گی اور اس کی تمدنی ضرورت میں فرق نہیں پڑے گا۔ یہی وہ خلق ہے جس کو احصان اور عفت کہتے ہیں۔" (صفحہ ۱۶۸، و ۱۶۹)

کیا اِن دونوں تحریروں میں کوئی فرق ہے؟ اگر کوئی فرق ہے تو صرف اتنا کہ مرزا صاحب نے یہ تحریر ۱۸۹۶ء میں لکھی تھی اور حضرت تھانوی کی کتاب قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی یعنی مرزا صاحب کی کتاب شائع ہونے کے تقریباً پچاس سال کے بعد۔

نکاح و طلاق کا فلسفہ

حضرت مولانا تھانوی نکاح اور طلاق کی حکمتوں پر غور فرما رہے تھے۔ مرزا صاحب اپنی کتاب "آریہ دھرم" میں نکاح اور طلاق کی حکمتوں پر بحث کر چکے تھے۔ حضرت تھانوی نے اس کتاب کا مطالعہ کیا اور اس سے استفادہ کیا۔ مولانا مغفور مرزا صاحب کی بحث کو پڑھ کر اسے اپنے رنگ میں اور اپنے الفاظ میں بیان کر سکتے تھے کسی کو شبہ بھی نہ ہوتا کہ یہ تحریر کس کی ہے۔ مگر حضرت تھانوی کو خراجِ تحسین ادا کرنا پڑتا ہے کہ انہوں نے دھوکہ فریب سے کام لینے کے بجائے مرزا صاحب کی یہ ساری بحث مرزا صاحب ہی کے الفاظ میں اپنی کتاب کی زینت بنادی۔ ملاحظہ ہو:۔

مرزا صاحب	تھانوی صاحب
"آریہ دھرم"	"احکامِ اسلام عقل کی نظر میں"
(مطبوعہ ۱۸۹۵ء)	(مطبوعہ مئی ۱۹۲۸ء)
"مسلمانوں میں نکاح ایک معاہدہ ہے جس میں مرد کی طرف سے مہر اور تعہد نان ونفقہ اور اسلام اور حسنِ معاشرت شرط ہے اور عورت کی طرف سے عفت اور پاکدامنی اور نیک چلنی اور فرمانبرداری شرائطِ ضروریہ میں سے ہے اور جیسا کہ دوسرے تمام معاہدے	"مسلمانوں میں نکاح ایک معاہدہ ہے جس میں مرد کی طرف سے اسلام اور مہر اور تعہدِ نان ونفقہ وحسنِ معاشرت شرط ہے اور عورت کی طرف سے عفت اور پاکدامنی اور نیک چلنی اور فرمانبرداری کے عہود شرائطِ ضروریہ ہیں اور جیسا کہ دوسرے تمام معاہدے

مرزا صاحب

شرائط کے ٹوٹ جانے سے قابل فسخ ہو
جاتے ہیں۔ ایسا ہی یہ معاہدہ بھی شرطوں
کے ٹوٹنے کے بعد قابل فسخ ہو جاتا ہے
صرف یہ فرق ہے کہ اگر مرد کی طرف
سے شرائط ٹوٹ جائیں تو عورت خود
بخود نکاح کے توڑنے کے مجاز نہیں
ہے جیسا کہ وہ خود بخود نکاح کرنے
کی مجاز نہیں بلکہ حاکم وقت کے ذریعہ
سے نکاح کو توڑا سکتی ہے جیسا کہ
ولی کے ذریعہ سے نکاح کو کرا سکتی ہے
اور یہ کمی اختیار اس کی فطرتی شتاب
کاری اور نقصان عقل کی وجہ سے ہے
لیکن مرد جیسا کہ اپنے اختیار سے
معاہدہ نکاح کا باندھ سکتا ہے ایسا ہی
عورت کی طرف سے شرائط کو ٹوٹنے کے
وقت طلاق دینے میں بھی خود مختار
ہے سو یہ قانون فطرتی قانون سے
ایسی مناسبت اور مطابقت رکھتا
ہے گویا کہ اس کی عکسی تصویر ہے
کیونکہ فطرتی قانون نے اس بات کو
تسلیم کر لیا ہے کہ ہر یک معاہدہ
شرائط قرارداده کے فوت ہونے
سے قابل فسخ ہو جاتا ہے اور اگر
فریقِ ثانی فسخ سے مانع ہو تو وہ اس
فریق پر ظلم کر رہا ہے جو فقدانِ

مولانا تھانوی

شرائط کے ٹوٹ جانے سے قابل فسخ ہو
ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی یہ معاہدہ بھی
شرطوں کے ٹوٹنے کے بعد قابل فسخ ہو
جاتا ہے صرف یہ فرق ہے کہ اگر مرد کی
طرف سے شرائط ٹوٹ جائیں تو عورت
خود بخود نکاح توڑنے کی مجاز نہیں
جیسا کہ وہ خود بخود نکاح کرنے کی
مجاز نہیں بلکہ حاکم وقت کے ذریعہ
سے نکاح کو توڑ سکتی ہے۔ جیسا کہ
ولی کے ذریعہ سے نکاح کرا سکتی ہے
اور یہ کمی اختیار اس کی فطرتی شتاب
کاری اور نقصان عقل کی وجہ سے ہے
لیکن مرد جیسا کہ اپنے اختیار سے
معاہدہ نکاح کا باندھ سکتا ہے ایسا
ہی عورت کی طرف سے شرائط ٹوٹنے
کے وقت طلاق دینے میں بھی خود مختار
ہے۔ سو یہ قانون فطرتی قانون سے
جو عنقریب مذکور ہوتا ہے۔ مناسبت
اور مطابقت رکھتا ہے۔ گویا کہ اس
فطرتی قانون کی عکسی تصویر ہے۔ کیونکہ
فطرتی قانون سے اس بات کو تسلیم
کر لیا ہے کہ ہر ایک معاہدہ شرائط
قرارداده کے فوت ہونے سے قابل
فسخ ہو جاتا ہے اور اگر فریقِ ثانی
فسخ سے مانع ہو تو وہ اس فریق پر

مرزا صاحب

شرائط کی وجہ سے فسخ عہد کا حق رکھتا
ہے جب ہم سوچیں کہ نکاح کیا
چیز ہے تو بجز اس کے اور کوئی
حقیقت معلوم نہیں ہوتی کہ ایک
پاک معاہدہ کی شرائط کے نیچے دو
انسانوں کا زندگی بسر کرنا ہے اور جو
شخص شرائط شکنی کا مرتکب ہو وہ
عدالت کی رو سے معاہدہ کے حقوق
سے محروم رہنے کے لائق ہو جاتا ہے
اور اسی محرومی کا نام دوسرے
لفظوں میں طلاق ہے۔ لہٰذا طلاق
ایک ایسی پوری پوری جدائی ہے جس
سے مطلقہ کی حرکات سے شخص طلاق
دہندہ پر کوئی بد اثر نہیں پہنچتا یا دوسرے
لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک
عورت کسی کی منکوحہ ہو کر نکاح کے
معاہدہ کو کسی اپنی بد چلنی سے توڑ دے
تو وہ اُس عضو کی طرح ہے جو گندہ ہو
گیا اور سڑ گیا یا اس دانت کی طرح
ہے جس کو کیڑے نے کھا لیا اور وہ
اپنے شدید درد سے ہر وقت تمام
بدن کو ستاتا اور دکھ دیتا ہے تو اب
حقیقت میں وہ دانت دانت نہیں ہے
اور نہ وہ متعفن عضو حقیقت میں عضو
ہے اور سلامتی اسی میں ہے کہ اُس کو

مولانا تھانوی

ظلم کر رہا ہے جو فقدان شرائط کی وجہ
سے فسخ عہد کا رکھتا ہے۔ سو جب
ہم سوچیں کہ نکاح کیا چیز ہے تو بجز
اس کے اور کوئی حقیقت معلوم نہیں
ہوتی کہ ایک پاک معاہدہ کی شرائط کے
نیچے دو انسانوں کا زندگی بسر کرنا ہے
اور جو شخص شرائط شکنی کا مرتکب ہو
وہ عدالت کی رو سے معاہدہ کے
حقوق سے محروم رہنے کے لائق ہو
جاتا ہے اور اسی محرومی کا نام دوسرے
لفظوں میں طلاق ہے پس جس مطلقہ
کی حرکات سے شخص طلاق دہندہ پر
کوئی بد اثر پہنچتا یا دوسرے لفظوں
میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک عورت
کسی کی منکوحہ ہو کر نکاح کے معاہدہ
کو کسی اپنی بد چلنی سے توڑ دے تو وہ
اس عضو کی طرح ہے جو گندہ ہو گیا اور
سڑ گیا یا اس دانت کی طرح ہے جس
کو کیڑے نے کھا لیا اور وہ اپنے شدید
درد سے ہر وقت تمام بدن کو ستاتا
اور دکھ دیتا ہے تو اب حقیقت میں
وہ دانت دانت نہیں ہے نہ وہ
متعفن عضو حقیقت میں عضو ہے۔
اور سلامتی اسی میں ہے کہ اس کو اکھاڑ
دیا جاوے اور کاٹ دیا جاوے اور

مرزا صاحب

اکھیڑ دیا جائے اور کاٹ دیا جائے اور پھینک دیا جائے یہ سب کارروائی قانون قدرت کے موافق ہے۔عورت کا مرد سے ایسا تعلق نہیں جیسے اپنے ہاتھ اور اپنے پیر کا لیکن تاہم اگر کسی کا ہاتھ یا پیر کسی ایسی آفت میں مبتلا ہو جائے کہ اطباء اور ڈاکٹروں کی رائے اسی پر اتفاق کرے کہ زندگی اس کی کاٹ دینے میں ہے تو بھلا تم میں سے کون ہے کہ ایک جان کے بچانے کے لئے کاٹ دینے پر راضی نہ ہو پس ایسا ہی اگر تیری منکوحہ اپنی بدچلنی اور کسی مہان پاپ سے تیرے پر وبال لاوے تو وہ ایسا عضو ہے کہ بگڑ گیا اور سڑ گیا اور اب وہ تیرا عضو نہیں ہے اس کو جلد کاٹ دے اور گھر سے باہر پھینکدے ایسا نہ ہو کہ اس کی زہر تیرے سارے بدن میں پہنچ جائے اور تجھے ہلاک کرے پھر اگر اس کاٹے ہوئے اور زہریلے جسم کو کوئی پرند یا درند کھالے تو تجھے اس سے کیا کام کیونکہ وہ جسم تو اسی وقت سے تیرا جسم نہیں رہا جبکہ تو نے اس کو کاٹ کر پھینک دیا۔"

(صفحہ ۳۲ تا ۳۳)

مولانا تھانوی

پھینک دیا جاوے یہ سب کارروائی قانونِ قدرت کے موافق ہے۔عورت کا مرد سے ایسا تعلق نہیں ہے جیسے اپنے ہاتھ اور پاؤں کا لیکن تاہم اگر کسی کا ہاتھ یا پاؤں کسی آفت میں مبتلا ہو جاوے کہ اطبا ر اور ڈاکٹروں کی رائے اس پر اتفاق کرلے کہ زندگی اس کے کاٹ دینے میں ہے تو بھلا تم میں سے کوئی ہے کہ ایک جان کے بچانے کے لئے اس کے کاٹ دینے پر راضی نہ ہو پس اگر ایسا ہی کسی کی منکوحہ اپنی بدچلنی اور کسی شرارت سے اس پر وبال لادے تو وہ ایسا عضو ہے کہ بگڑ گیا ہے اور سڑ گیا ہے اور اب وہ اس کا عضو نہیں ہے اس کو کاٹ دے اور گھر سے باہر پھینک دے ایسا نہ ہو کہ اس کا زہر اس کے سارے بدن میں پہنچ جاوے اور تجھے ہلاک کردے۔پھر اگر اس کاٹے ہوئے اور زہریلے جسم کو کوئی پرندہ یا درندہ کھالے تو اس کو اس سے کیا کام کیونکہ وہ جسم تو اس وقت سے تیرا جسم نہیں رہا جبکہ اس نے اس کو کاٹ کر پھینک دیا۔"

(صفحہ ۱۵۷ تا ۱۵۸)

رُوح کا قبر سے تعلّق

روح اور قبر کے تعلق کے بارے میں صدیوں تک علماء اور حکمائے اسلام نے بحث کی اور آخر یہی نتیجہ نکالا کہ قبر کے ساتھ روح کا تعلق کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے حضرت تھانوی صاحب کے پیش نظر بھی یہی مسئلہ تھا کیونکہ ہمارے ملک کا مغرب زدہ طبقہ روح اور قبر کے تعلق کا قائل نہ تھا اور بعض تو روح کی بقاء ہی کے منکر تھے۔ اسی دوران میں حضرت تھانوی کی نظر سے مرزا صاحب کی ایک تقریر گزری جو انھوں نے اپنے ایک مرید مولوی قطب الدین کے اس سوال کے جواب میں کی تھی کہ "روح کا جو تعلق قبور سے بتلایا گیا ہے اس کی اصلیت کیا ہے؟" اس کے جواب میں مرزا صاحب نے جو تقریر کی تھی وہ ان کی جماعت کے آرگن "الحکم" (قادیان) میں مرزا صاحب کی زندگی میں ہی شائع ہو گئی تھی۔ مرزا صاحب نے روح اور قبر کے تعلق پر اظہار خیال کرتے ہوئے اپنی بات کا آغاز اس طرح کیا تھا:—

> "اصل بات یہ ہے کہ جو کچھ ارواح کے تعلق قبور کے متعلق احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم میں آیا ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ ہاں یہ دوسرا امر ہے کہ اس تعلق کی کیفیت اور کنہ کیا ہے؟ جس کے معلوم کرنے کی ہم کو ضرورت نہیں۔"

یہ عبارت حضرت تھانوی نے حذف کر دی کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کسی سوال کرنے والے کے جواب میں ایک بات کہی گئی ہے۔ مگر حضرت تھانوی سے تو کسی نے سوال نہیں کیا تھا جو وہ یہ رنگ اختیار کرتے۔ اس عبارت کے بعد مرزا صاحب کی تقریر کی ساری عبارت حضرت تھانوی نے اپنی کتاب میں شامل کر لی۔ مگر ابتدائی چند سطروں میں حسب ضرورت معمولی سا تغیر و تبدل فرما دیا۔

ملاحظہ ہو:-

مرزا صاحب

اخبار "الحکم" قادیان

(۲۳ر جنوری ۱۸۹۹ء)

"البتہ یہ ہمارا فرض ہو سکتا ہے کہ ہم یہ ثابت کردیں کہ اس قسم کا تعلق قبور کے ساتھ ارواح کا ہوتا ہے اور اس میں کوئی محال عقلی لازم نہیں آتا۔ اور اس کے لئے ہم اللہ تعالیٰ کے قانون قدرت میں ایک نظیر پاتے ہیں۔

درحقیقت یہ امر اسی قسم کا ہے۔ جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض امور کی سچائی اور حقیقت صرف زبان ہی سے معلوم ہوتی ہے

اور اس کو ذرا وسیع کر کے ہم یوں کہتے ہیں کہ حقائق الاشیاء کے معلوم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقے رکھے ہیں۔ بعض خواص آنکھ کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں۔ اور بعض صداقتوں کا پتہ صرف کان لگاتا ہے اور بعض ایسی ہیں کہ حس مشترک سے ان کا سراغ چلتا ہے اور کتنی ہی سچائیاں ہیں کہ وہ مرکز قویٰ یعنی دل سے معلوم ہوتی ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے صداقت کے معلوم کرنے کے لئے مختلف طریق اور ذریعے رکھے

مولانا تھانوی صاحب

"احکام اسلام عقل کی نظر میں"

(مئی ۱۹۲۸ء)

قبور سے تعلق ارواح کا دفع استبعاد

ارواح کا تعلق قبور سے بھی ہوتا ہے اور اس میں کوئی محال عقلی لازم نہیں آتا اور اس کے لئے کہ عقل اس کو دریافت نہ کرسکے ہم خدا تعالیٰ کے قانونِ قدرت میں ایک نظیر پاتے ہیں وہ یہ کہ حقائق الاشیاء کے معلوم کرنے کے اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقے رکھے ہیں جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض امور کی حقیقت صرف زبان ہی سے معلوم ہوتی ہے اور بعض خواص آنکھ کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اور بعض حقائق کا پتہ صرف کان لگاتے ہیں اور بعض ایسے امور ہیں کہ حسِ مشترک کے ذریعہ سے اس کا سراغ چلتا ہے اور کتنے ہی حقائق ہیں کہ وہ مرکز قویٰ یعنی دل سے معلوم ہوتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے حقائق معلوم کرنے کے لئے مختلف طریق اور ذریعے رکھے ہیں مثلاً مصری کی ایک ڈلی کو اگر کانوں پر رکھیں تو وہ اس کا مزہ معلوم نہ کرسکیں گے اور نہ اس کے رنگ

مرزا صاحب

ہیں۔ مثلاً مصری کی ایک ڈلی کو اگر کان
پر رکھیں تو وہ اس کا مزہ معلوم نہ کر
سکیں گے اور نہ اس کے رنگ کو بتلا
سکیں گے۔ ایسا ہی اگر آنکھ کے سامنے
کریں گے تو وہ اس کے ذائقہ کے متعلق
کچھ نہ کہہ سکے گی۔ اس سے صاف طور
پر معلوم ہوتا ہے کہ حقائق الاشیاء
کے معلوم کرنے کے لئے مختلف قوٰی اور
طاقتیں ہیں۔ اب آنکھ کے متعلق اگر
کسی چیز کا ذائقہ معلوم کرتا ہو اور وہ
آنکھ کے سامنے پیش ہو تو کیا ہم کہیں
گے کہ اس چیز میں کوئی ذائقہ ہی نہیں۔ یا
آواز نکلتی ہو۔ اور کان بند کر کے زبان
سے وہ کام لینا چاہیں تو کب ممکن ہے
آج کل کے فلسفی مزاج لوگوں کو یہ بڑا
دھوکہ لگا ہوا ہے کہ وہ اپنے عدم علم
کی وجہ سے کسی صداقت کا انکار کر بیٹھتے
ہیں۔ روزمرہ کے کاموں میں دیکھا جاتا
ہے کہ سب کام ایک شخص نہیں کرتا بلکہ
جداگانہ خدمتیں مقرر ہیں۔ سقہ پانی لاتا
ہے۔ دھوبی کپڑے صاف کرتا ہے۔ باورچی
کھانا پکاتا ہے۔ غرضکہ تقسیم محنت کا
سلسلہ ہم انسان کے خود ساختہ نظام
میں بھی پاتے ہیں۔ پس اس اصل کو یاد
رکھو کہ مختلف قوتوں کے مختلف کام

مولانا تھانوی

کو بتلا سکیں گے۔ ایسا ہی اگر اس کو آنکھوں
کے سامنے کریں گے تب بھی اس کے ذائقہ
کے متعلق کچھ نہ کہہ سکیں گے۔ اس سے
صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حقائق
الاشیاء کے معلوم کرنے کے لئے مختلف قوٰی
اور طاقتیں ہیں۔ اب آنکھ سے اگر کسی
چیز کا ذائقہ معلوم کرتا ہو اور وہ آنکھ
کے سامنے پیش ہو اور ذائقہ کا اس سے
ادراک نہ ہو تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس
چیز میں کوئی ذائقہ نہیں یا کوئی آواز نکلتی
ہو مگر ہم کان بند کر کے زبان سے وہ کام
لینا چاہیں تو کب ممکن ہو سکتا ہے۔ آج
کل کے فلسفی مزاج لوگوں کو یہ بڑا دھوکہ
لگا ہوا ہے کہ وہ اپنے علم کی وجہ سے
کسی حقیقت کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔
روزمرہ کاموں میں دیکھا جاتا ہے کہ
یہ سب کام ایک شخص نہیں کرتا بلکہ
جداگانہ خدمتیں مقرر ہیں۔ سقہ پانی
لاتا ہے۔ دھوبی کپڑے دھوتا ہے۔
غرضکہ تقسیم محنت کا سلسلہ ہم خود
انسان کے نظام میں بھی پاتے ہیں اس
اصل کو یاد رکھو کہ مختلف قوتوں کے
مختلف کام ہیں۔ انسان مختلف قوٰی
سے کر آیا ہے اور (مختلف) خدمتیں
جدا جدا قوت کے سپرد ہیں۔ نادان

ہیں۔ انسان بڑے قویٰ لے کر آیا ہے
اور طرح طرح کی خدمتیں اس کی تکمیل
کے لئے ہر ایک قویٰ کے سپرد ہیں۔
نادان فلسفی ہر بات کا فیصلہ اپنی عقلِ
خاص سے چاہتا ہے۔ حالانکہ یہ بات
غلط محض ہے۔ تاریخی امور تو تاریخ ہی
سے ثابت ہوں گے اور خواص الاشیاء
کا تجربہ بدوں تجربۂ صحیحہ کے کیونکر لگ
سکے گا۔ امور قیاسیہ کا پتہ عقل دے گی
اسی طرح پر متفرق طور پر الگ الگ
ذرائع ہیں۔ انسان دھوکہ میں مبتلا ہو
کر حقائق الاشیاء کے معلوم کرنے
سے تب ہی محروم ہو جاتا ہے۔ جبکہ وہ
ایک ہی چیز کو مختلف امور کی تکمیل کا
ذریعہ قرار دے لیتا ہے۔ میں اس اصول
کی صداقت پر زیادہ کہنا ضروری نہیں
سمجھتا۔ کیونکہ ذرا سے فکر سے یہ بات
خوب سمجھ میں آجاتی ہے۔ اور روزمرہ
ہم ان باتوں کی سچائی کو دیکھتے ہیں۔
پس جب روح جسم سے مفارقت
کرتا ہے یا تعلق پکڑتا ہے تو ان باتوں
کا فیصلہ عقل سے نہیں ہو سکتا۔ اگر
ایسا ہوتا تو فلسفی اور حکماء ضلالت
میں مبتلا نہ ہوتے۔ اسی طرح پر قبور
کے ساتھ جو تعلق ارواح کا ہوتا ہے

فلسفی ہر ایک بات کا فیصلہ اپنی عقل خاص
سے چاہتا ہے حالانکہ یہ طریقہ محض غلط
ہے تاریخی امور تاریخ ہی سے ثابت ہونگے
اور خواص الاشیاء کا تجربہ بدون تجربہ صحیح
کے کیونکر لگ سکتا ہے اس امور قیاسیہ
کا پتہ عقل دے گی اسی طرح متفرق طور
پر الگ الگ ذرائع ہیں انسان دھوکہ میں
مبتلا ہو کر حقائق الاشیاء کے معلوم
کرنے سے اسی وقت محروم رہ جاتا ہے
جبکہ وہ ایک ہی چیز کو مختلف امور کی تکمیل
کا ذریعہ قرار دے لیتا ہے ذرا سی فکر
سے یہ بات خوب سمجھ میں آجاتی ہے اور
روزمرہ ہم ان باتوں کو دیکھتے ہیں۔
پس جس طرح روح کے جسم سے
مفارقت کرنے یا تعلق پکڑنے کا فیصلہ عقل
سے نہیں ہو سکتا اور اگر ایسا ہوتا تو فلسفی
اور حکماء اس باب میں ضلالت میں مبتلا
نہ ہوتے اسی طرح پر قبور کے ساتھ جو
تعلق ارواح کا ہوتا ہے یہ ایک امر
واقعی تو ہے مگر اس کا پتہ دینا اس آنکھ
کا کام نہیں یہ کشفی آنکھ کا کام ہے اگر
عقل محض سے اس کا پتا لگانا چاہو تو
کوئی عقل سے اس کا ہی پتہ لگائے کہ
روح کا وجود بھی ہے یا نہیں۔ ہزار ہا
اختلافات اس مسئلہ پر موجود ہیں اور

مرزا صاحب

یہ ایک صداقت تو ہے مگر اس کا پتہ دینا
اس آنکھ کا کام نہیں یہ کشفی آنکھ کا کام
ہے کہ وہ دکھلاتی ہے۔ اگر محض عقل سے اس
کا پتہ لگانا چاہو تو کوئی عقل کا پتلا اتنا ہی
تبلائے کہ روح کا وجود بھی ہے یا نہیں؟
ہزار اختلاف اس مسئلہ پر موجود ہیں، اور ہزار
فلاسفر دہریہ مزاج موجود ہیں جو منکر ہیں
اگر نری عقل کا یہ کام تھا تو پھر اختلاف کا
کیا کام؟ کیونکہ جب آنکھ کا کام دیکھنا ہے
تو میں نہیں کہہ سکتا کہ زید کی آنکھ تو سفید
چیز کو دیکھے اور بکر کی ویسی ہی آنکھ اس
سفید چیز کا ذائقہ تبلائے۔ میرا مطلب یہ
ہے کہ نری عقل روح کا وجود بھی یقینی طور
پر نہیں بتلا سکتی۔ چہ جائیکہ اس کی کیفیت
اور تعلقات کا علم پیدا کر سکے۔ فلاسفر تو
روح کو ایک سبز لکڑی کی طرح مانتے ہیں
اور روح فی الخارج ان کے نزدیک کوئی
چیز ہی نہیں۔ یہ تفاسیر روح کے وجود
اور اس کے تعلق وغیرہ کی چشمۂ نبوت
سے ملی ہیں، اور نرے عقل والے تو
دعویٰ ہی نہیں کر سکتے۔ اگر کہو کہ بعض فلاسفروں
نے کچھ لکھا ہے تو یاد رکھو کہ انہوں نے منقولی
طور پر چشمۂ نبوت سے کچھ لے کر کہا ہے پس
جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ روح کے متعلق
علوم چشمۂ نبوت سے ملتے ہیں تو یہ امر

مولانا تھانوی

ہزار ہا فلاسفر دہریہ ایسے موجود ہیں جو
اسی کے منکر ہیں۔ اگر نری عقل کا یہ کام تھا
تو اس میں اختلاف کا کیا سبب کیونکہ
جب آنکھ کا کام دیکھنا ہے تو میں نہیں کہہ
سکتا کہ زید کی آنکھ تو ایک چیز کو دیکھتی ہے
اور بکر کی ویسی ہی آنکھ اس چیز کو نہ دیکھے
پس جب نری عقل روح کا وجود بھی یقینی
طور پر نہیں بتا سکتی تو اس کی کیفیت
اور تعلقات کا علم تو کیا بتا دے گی۔ یہ
تفاسیر روح کے وجود اور اس کے تعلق
وغیرہ کی چشمۂ نبوت سے لے کر لکھا
ہے۔ پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ
تعلق ہوتا ہے اس چشمہ سے لینا چاہیئے
جس کو کسی قدر کشفی آنکھ نے بھی بتلایا
ہے کہ اس تودۂ خاک سے ارواح کا ایک
تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اہل القبور
کہنے سے جواب ملتا ہے۔ جو آدمی ان
قوتوں سے کام لے جن سے کشفِ قبور ہوتا
ہے تو وہ ان تعلقات سے دیکھ سکتا
ہے۔ ہم ایک اور بات کو مثال کے طور پر
پیش کرتے ہیں کہ ایک نمک کی ڈلی اور
ایک مصری کی ڈلی رکھی۔ اب عقل محض
ان پر کیا فتویٰ دے سکے گی۔ ہاں اگر ان
کو چکھیں گے تو دو جداگانہ مزوں سے
معلوم ہو جائے کہ یہ نمک ہے اور وہ

مرزا صاحب

کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اسی چشم سے دیکھنا چاہیئے اور کشفی آنکھ نے بتلایا ہے کہ اس تودہ خاک سے روح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اہل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے۔ پس جو آدمی اُن قویٰ سے کام لے جن سے کشفِ قبور ہو سکتا ہے وہ ان تعلقات کو دیکھ سکتا ہے۔

ہم ایک بات مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ ایک نمک کی ڈلی اور ایک مصری کی ڈلی رکھی ہو۔ اب عقل محض ان پر کیا فتویٰ دے سکے گی۔ ہاں! اگر ان کو چکھیں گے تو دو جداگانہ مزوں سے معلوم ہو جاوے گا کہ یہ نمک ہے اور وہ مصری ہے لیکن اگر حسِ لسان ہی نہیں تو نمکین اور شیریں کا فیصلہ کوئی کیا کرے گا؟

پس ہمارا کام صرف دلائل سے سمجھا دینا ہے آفتاب کے چڑھنے میں جیسے ایک اندھے کے انکار سے فرق نہیں آ سکتا اور ایک مسلوب القوۃ کے طریق استدلال سے فائدہ نہ اٹھانے سے اس کا ابطال نہیں ہو سکتا اسی طرح پر اگر کوئی شخص کشفی آنکھ نہیں رکھتا تو وہ اس تعلق ارواح کو کیونکر دیکھ سکتا ہے؛ پس اس کے انکار سے محض اس لئے کہ وہ دیکھ نہیں سکتا

مولانا تھانوی

مصری ہے پس اگر کسی میں حسِ لسان ہے نہیں تو نمکین اور شیریں کا وہ فیصلہ کریگا؟ پس جس طرح آفتاب کے چڑھنے میں ایک اندھے کے انکار سے فرق نہیں آ سکتا اور ایک مسلوب العقل کے طریق استدلال سے فائدہ نہ اٹھانے سے اس کا ابطال نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح پر اگر کوئی شخص کشفی آنکھ نہیں رکھتا تو وہ اس تعلق روح کو کیونکر دیکھ سکتا ہے۔

پس اس کے انکار سے محض اس لئے کہ وہ دیکھ نہیں سکتا اس کا انکار جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی باتوں کا پتہ عقل اور قیاس سے کچھ نہیں لگتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے انسان کو مختلف قویٰ دیئے ہیں اگر ایک ہی حاسہ سب کام دیتا تو پھر اس قدر قویٰ کے عطا کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ جن میں بعض قویٰ کا تعلق آنکھ سے ہے اور بعض کا کان سے بعض زبان سے متعلق ہیں اور بعض ناک سے اسی طرح مختلف قسم کی حِسیں انسان رکھتا ہے سو قبور کے ساتھ تعلق ارواح کے دیکھنے کے لئے کشفی حِس کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی ناقد الکشف[ع] اس تعلق کی نسبت یہ کہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے تو غلط کہتا ہے۔

ع جس کو کشف نہ ہوتا ہو۔

مرزا صاحب

اس کا انکار جائز نہیں ہے۔ ایسی باتوں کا پتہ نری عقل اور قیاس سے کچھ نہیں لگتا اللہ تعالیٰ اسی لئے انسان کو مختلف قویٰ دیئے ہیں۔ اگر ایک ہی سب کام دیتا تو پھر اس قدر قویٰ کے عطا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بعض کا تعلق آنکھ سے ہے اور بعض کا کان سے۔ بعض زبان سے متعلق ہیں اور بعض ناک سے۔ مختلف قسم کی حسیں انسان رکھتا ہے۔ قبور کے ساتھ تعلق ارواح کے دیکھنے کے لئے کشفی قوت اور حس کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے تو وہ غلط کہتا ہے انبیاء علیہم السلام کی ایک کثیر تعداد کروڑہا اولیاء و صلحاء کا سلسلہ دنیا میں گزرا ہے اور مجاہدات کرنے والے بیشمار لوگ ہو گزرے ہیں اور وہ سب اس امر کی زندہ شہادت ہیں۔ گو اس کی سمیت اور تعلقات کی وجہ عقلی طور پے ہم معلوم کر سکیں یا نہ۔ مگر نفسی تعلق سے انکار نہیں ہو سکتا غرض کشفی دلایل ان ساری باتوں کا فیصلہ کئے دیتے ہیں۔ کان اگر دیکھ نہ سکیں تو ان کا کیا قصور؟ وہ اور قوت کا کام ہے۔"

(صفحہ ۲-۳)

مولانا تھانوی

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ایک کثیر تعداد اور کروڑوں اولیاء و صلحاء کا سلسلہ دنیا میں گذرا ہے اور مجاہدات کرنے والے بے شمار لوگ ہو گزرے ہیں وہ سب اس امر کی زندہ شہادت ہیں گو اس کے تعلقات کی کیفیت وجہ محققی طور پر ہم معلوم کر سکیں یا نہ کر سکیں مگر نفس تعلق سے انکار نہیں ہو سکتا۔ غرض کشفی دلائل ان ساری باتوں کا فیصلہ کئے دیتے ہیں گو عقل ادراک نہ کر سکے جیسے کان اگرچہ دیکھ نہ سکیں تو ان کا کیا قصور ہے وہ اور قوت کا کام ہے۔"

(صفحہ ۲۶۲ تا ۲۶۳)

یہاں تک حضرت تھانوی نے مرزا صاحب کی عبارتیں بلا تکلف نقل فرمادیں۔ مگر اس کے بعد مرزا صاحب نے ایک جملہ لکھا تھا وہ حذف کر دیا۔ یہ جملہ اس طرح تھا:۔

"ہم اپنے ذاتی تجربہ سے گواہ ہیں کہ روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے"

اس مقام پر پہنچ کر حضرت تھانوی کی دیانتداری اور راستبازی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ انھوں نے یہ الفاظ چھوڑ دیئے۔ کیونکہ انہیں اس قسم کا دعوٰی نہ تھا اور نہ وہ کشفِ قبور کے معاملے میں صاحب تجربہ تھے۔ انہوں نے ایک غلط دعوٰی کر کے اپنے دامنِ صداقت کو داغدار کرنے سے محفوظ رکھا۔ اس کے بعد مرزا صاحب نے جو کچھ کہا تھا وہ سب حضرت تھانوی نے لفظ بلفظ نقل فرما دیا۔ ملاحظہ ہو:-

مرزا صاحب

"روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ انسان میت سے کلام کر سکتا ہے۔ روح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کے لئے ایک مقام ملتا ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ یہ ایک ثابت شدہ صداقت ہے۔ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے۔ یہ مسئلہ عام طور پر مسلّمہ مسئلہ ہے بجز اس فرقہ کے جو نفیٔ بقائے روح کرتا ہے۔"

(صفحہ ۳)

تھانوی صاحب

"غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے انسان میت سے کلام کر سکتا ہے۔ ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کے لئے ایک مقام ملتا ہے اور یہ ایک ایسی مسلّم بات ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے۔ پس یہ مسئلہ عام طور پر مسلمہ مسئلہ ہے۔ بجز اس گمراہ فرقے کے جو نفی بقائے روح کرتا ہے۔"

(صفحہ ۲۶۴ و ۲۶۵)

حضرت تھانوی کی مشکل اور حل

حضرت تھانوی کی کتاب کے یہ صفحات نمونہ کے طور پر پیش کئے گئے ہیں. ورنہ اگر حضرت کی کتاب کے ایک ایک صفحے کا مرزا صاحب کی کتابوں سے موازنہ کیا جائے تو حضرت تھانوی کی یہ کتاب مرزا صاحب کی تحریرات کا کہیں لفظی اور کہیں معنوی مجموعہ نظر آتا ہے۔

اب اس سوال کا جواب عرض کیا جاتا ہے کہ حضرت مولانا تھانوی کو مرزا صاحب سے استفادہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اور انہوں نے مرزا صاحب کی کتابوں کے صفحات نقل کرتے ہوئے ان کی کتب کے حوالے کیوں درج نہیں کئے جو بظاہر بہت بڑا اخلاقی جرم ہے اور سرقہ کہلاتا ہے۔ لیکن ایسی بات نہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی جیسے نامور عالمِ دین کے بارے میں ایسا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے جان بوجھ کر سرقہ کیا۔ ان کے بارے میں ایسا کہنا ان پر تہمت تراشی ہے۔ جو کچھ راقم سمجھ سکا ہے وہ تو یہ ہے :-

حضرت تھانوی اس موضوع پر غور کر رہے تھے کہ اسلام نے جو احکام دیئے ہیں ان کا کیا فلسفہ ہے اور اگر کوئی منکرِ اسلام یا دہریت زدہ اعتراض کر دے کہ اسلام نے پانچ وقت نماز کیوں فرض کی۔ دس دفعہ کیوں فرض نہیں کی یا صرف دو دفعہ کیوں نہ فرض کی۔ اسی طرح کسی ایک خاص جانور کا گوشت کیوں حرام قرار دیا۔ نکاح اور طلاق میں کیا عقلی حکمتیں ہیں؟ عقل پسندوں کو مطمئن کرنے کے لئے مولانا تھانوی نے یہ کتاب تصنیف فرمائی۔ دورانِ مطالعہ ان کی نظر بہت سی تفاسیر گزریں۔ علمائے اسلام کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ حضرت تھانوی مرزا صاحب کے سخت ترین مخالفوں میں سے تھے اور اُن کے

خلاف قلمی جنگ میں مصروف رہتے تھے۔ اس لئے مرزا صاحب کی کتابیں اُن کے زیرِ مطالعہ رہتی تھیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کتابوں میں حضرت تھانوی کو ان کے سوالات کے کافی وشافی جوابات نظر آئے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ دہریت زدہ اور عقل پسند یا اسلام کے مخالفین کو مطمئن کرنے اور اُن کا منہ بند کرنے کے لئے مرزا صاحب کے بیان کردہ حقائق و معارف سے بہتر معارف کسی نے بیان نہیں کئے۔ اس لئے بیکار اور کمزور دلائل دینے کے بجائے حضرت تھانوی نے یہی مناسب سمجھا کہ مرزا صاحب کے بیان کردہ معارف اپنی کتاب کے قارئین تک پہنچا دیئے جائیں۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اگر حضرت مولانا تھانوی اپنی کتاب میں مرزا صاحب کا نام یا ان کی کسی کتاب کا نام درج کردیتے تو متعصب اور تنگ نظر لوگ ان کی جان کے دشمن ہو جاتے۔ اور ان کی کتاب کو نذرِ آتش کردیتے۔ یقین ہے کہ انہیں اپنا وطن (تھانہ بھون) کو بھی خیرباد کہنا پڑتا۔ اس لئے حضرت مولانا نے فتنہ وفساد سے بچنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ مرزا صاحب کا حوالہ دیئے بغیر ان کے بیان کردہ معارف اپنی کتاب میں درج کر دیئے تاکہ یہ معارفِ روحانیہ قارئین تک پہنچ جائیں۔ مرزا صاحب یا ان کی کتاب کا نام درج کرنے کی صورت میں حضرت مولانا کی کتاب کے قارئین ان اسرار و معارف سے محروم رہ جاتے۔ لیکن موجودہ صورت میں یہ معارف مرزا صاحب کی جماعت کے محدود دائرے سے نکل کر لاکھوں انسانوں تک پہنچ گئے۔ اگر غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس سے مولانا کی عظمت ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے قرآن شریف اور اسلام کی خدمت کرتے ہوئے اپنے شدید ترین مخالف کی کتابوں کے اوراق نقل کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کی اور "خذ ما صفا دع ما کدر" پر عمل کیا۔

اب ایک ضروری سوال جو بہت زیادہ توجہ کا طالب ہے۔ مرزا صاحب کو علماء کی طرف سے کافر قرار دیا جا چکا ہے۔ ان کے کاذب ہونے کا فتویٰ موجود ہے اور اس فتوے میں خود حضرت مولانا تھانوی بھی شریک ہیں۔ مرزا صاحب کے مُرید سوال کر رہے ہیں کہ قرآن شریف کے اسرار و معارف

کاذبوں اور جعلسازوں پر تو نہیں کھُل سکتے اور قرآنی تعلیم کے بارے میں خود اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ ناپاک لوگ اس کی حقیقت کو نہیں پا سکتے۔ اگر مرزا صاحب کاذب تھے تو ان پر ایسے ایسے روحانی معارف کیسے منکشف ہو گئے جنہیں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی جیسا عالم اور لاکھوں مسلمانوں کا روحانی پیشوا اپنی کتاب میں نقل کرنے پر مجبور ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ اگر مرزا صاحب کاذب اور کافر تھے تو ان کے بیان کردہ معارف کو حضرت مولانا تھانوی نے اپنی کتاب میں کیوں شامل کیا۔ ہاں اگر حضرت تھانوی مرزا صاحب کی کتابوں کے اقتباسات پیش کر کے ان کا ردّ لکھتے اور ثابت کرتے کہ یہ معارفِ روحانیہ نہیں بلکہ لغویات کا پشتارہ ہیں پھر تو حضرت تھانوی کی پوزیشن دوسری ہوتی۔ مگر حضرت نے تو مرزا صاحب کے بیان کردہ معارف کو لفظاً بہ لفظ قبول کر لیا اور انہیں اپنے دعوے کی تائید میں پیش کیا۔ ان کے ذریعہ سے اپنی تحریر میں زور اور اثر پیدا کیا۔ اپنی کتاب کو اُن سے مزیّن کیا۔ اس طرح ایک بہت بڑی دینی خدمت میں مرزا صاحب کو اپنا شریک بنا لیا۔ مرزا صاحب کے مرید کہہ رہے ہیں کہ اگر مرزا صاحب کافر تھے تو ان کی تحریروں سے اپنی کتاب کو آراستہ کرنے والا کیا مسلمان کہلا سکتا ہے؟ وہ تو مرزا صاحب کا فیض یافتہ ہوا اگر مولانا اشرف علی تھانوی مسلمان تھے تو ماننا پڑے گا کہ مرزا صاحب بھی مسلمان تھے۔ دونوں پر ایک ہی فتویٰ لگے گا۔

کوئی اچھا مانے یا بُرا۔ سچائی کو چھپانا گناہ ہے۔ اس مقابلہ اور موازنہ سے ایک بات تو سامنے آ گئی ہے کہ مرزا صاحب معمولی آدمی نہیں تھے اس سے قبل مَیں نے مرزا صاحب کی کتب کا اتنی باریک بینی سے مطالعہ نہیں کیا تھا۔ اب میرا تاثر تو یہی ہے کہ قرآن شریف کے معنی اور تفسیر بیان کرنے میں انہیں کمال حاصل تھا۔ انہوں نے ایک نئے علم کلام کی بنیاد رکھی۔ یہ علمِ کلام بھی ایسا تھا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی جیسے عالم نے اس علمِ کلام کو اپنی کتاب میں شامل کر لیا۔ حتیٰ کہ مرزا صاحب کے ترجمۂ قرآن اور تفسیر قرآن کو بھی اپنی کتاب میں نقل فرما دیا۔ اور حضرت تھانوی کا پایہ جتنا بلند تھا

اُس سے کون واقف نہیں۔ پاک و ہند میں ان کے خلفاء دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں جو خود بڑے عالم و فاضل ہیں۔ راقم تو اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ اگر علامہ تھانوی جیسے عالم بے بدل اور لاکھوں مسلمانوں کے روحانی پیشوا نے روحانی علم مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے چشمۂ علم و معرفت سے حاصل کیا تو پھر اس زمانے میں علم دین اور روحانیت کا سرچشمہ تو مرزا صاحب ہی ہوئے۔

یہ سوال ایسا نہیں جسے آسانی سے ٹال دیا جائے یا خاموشی اختیار کر لی جائے۔ ہمارے دیوبندی علماء کو اس کا جواب دینا چاہیئے۔ ورنہ وہ وقت نزدیک ہے جب ہزاروں لاکھوں آدمی مرزا صاحب کے دامن سے وابستہ ہو جانے میں اپنی اُخروی فلاح سمجھنے لگیں گے۔ کیونکہ کسی کے نام اور شخصیت کو نہیں دیکھا جاتا اس کے علم اور معرفت کو دیکھا جاتا ہے اور مرزا صاحب کی کتابوں کے جو صفحات حضرت تھانوی نے نقل کیئے ہیں وہ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ علمِ دین اور معرفتِ روحانی کا سمندر تو انہی کوزوں میں بند ہے جو مرزا صاحب اپنی کتابوں کی صورت میں چھوڑ گئے ہیں اور جن سے بڑے بڑے علماء نے اسلام فیض حاصل کر رہے ہیں اور کیا معلوم مرزا صاحب کی اِن کتابوں سے میری طرح کتنے لوگ متاثر ہو جائیں گے۔

اب آخر میں مرزا صاحب اور حضرت تھانوی کی اصل کتابوں کے ایک ایک صفحے کا عکس شائع کیا جا رہا ہے تاکہ قارئین اپنی آنکھوں سے اصل حقیقت مشاہدہ کر لیں کہ کس نے کس کے چشمے سے پانی پیا۔ دونوں کتابوں کے سرورق کا عکس بھی پیش ہے۔

جویائے حقیقت

عبداللہ ایمن زئی

مرزا صاحب کی کتاب "نسیم دعوت" کا اندرونی سرورق

وہ خدا جسنے تمام زمین اور ذرہ ذرہ عالم علوی اور سفلی کا پیدا کیا اُسی نے اپنے فضل و کرم سے اس رسالہ کے مضمون ہمارے دل میں پیدا کئے

اور

اس کا نام

ہے

نسیم دعوت

نام اس کا نسیمِ دعوت ہے — آریوں کے لئے یہہ رحمت ہے

دل بیمار کا یہہ درمان ہے — طالبوں کا یہہ یارِ خلوت ہے

کفر کے زہر کو یہ ہے تریاق — ہر ورق اِس کا جام صحت ہے

غور کر کے اِسے پڑھو پیارو — یہ خدا کے لئے نصیحت ہے

خاکساری سے ہم نے لکھا ہے — نہ تو سختی نہ کوئی شدت ہے

قوم سے مت ڈرو خدا سے ڈرو — آخر اُسکی طرف ہی رحلت ہے

سخت دل کیسے ہو گئے ہیں لوگ — سر پہ طاعون ہے پھر بھی غفلت ہے

ایک دنیا ہے مر چکی اب تک — پھر بھی توبہ نہیں یہہ حالت ہے

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں باہتمام حکیم فضل الدین صاحب بھیروی بتاریخ ۲۸ - فروری ۱۹۰۳ء چھپ کر شائع ہوا۔

غیر موزون طور پر لمبی کرتی ہے اور باقی کو کاٹتی ہے۔ اور جن جن قوتوں کے ساتھہ انسان اس مسافر خانہ میں آیا ہے انجیل ان سب قوتوں کے مُربّی نہیں ہے۔ انسان کی فطرت پر نظر کر کے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو مختلف قویٰ اس غرض سے دیے گئے ہیں کہ تا وہ مختلف وقتوں میں حسب تقاضا محل اور موقعہ کے ان قُویٰ کو استعمال کرے مثلاً انسان میں منجملہ اور خلقوں کے ایک خلق بکری کی فطرت سے مشابہ ہے۔ اور دوسرا خلق شیر کی صفت سے مشابہت رکھتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ انسان سے یہ چاہتا ہے کہ وہ بکری بننے کی محل میں بکری بنجائے۔ اور شیر بننے کے محل میں وہ شیر بنجائے۔ اور خدا تعالیٰ ہرگز نہیں چاہتا کہ وہ ہر وقت اور ہر محل میں بکری ہی بنا رہے۔ اور نہ یہہ کہ ہر جگہ وہ شیر ہی بنا رہے۔ اور جیسا کہ وہ نہیں چاہتا کہ ہر وقت انسان سوتا ہی رہے یا ہر وقت جاگتا ہی رہے یا ہر دم کہاتا ہی رہے یا ہمیشہ کہانے سے مونہہ بند رکھے۔ اسی طرح وہ یہ بہی نہیں چاہتا کہ انسان اپنی اندرونی قوتوں میں سے صرف ایک قوت پر زور ڈالدے۔ اور دوسری قوتیں جو خدا کی طرف سے اسکو ملی ہیں اُنکو لغو سمجھے۔ اگر انسان میں خدا نے ایک قوت حلم اور نرمی اور درگذر اور صبر کی رکھی ہے تو اُسی خدا نے اسمیں ایک قوت غضب اور خواہش انتقام کی بھی رکھی ہے پس کیا مناسب ہے کہ ایک خدا داد قوت کو تو حد سے زیادہ استعمال کیا جائے۔ اور دوسری قوت کو اپنی فطرت میں سے بکلی کاٹ کر پہینک دیا جائے۔ اس سے تو خدا پر اعتراض آتا ہے کہ گویا اُس نے بعض قوتیں انسان کو ایسی دی ہیں جو استعمال کے لایق نہیں۔ کیونکہ یہ مختلف قوتیں اُسی نے تو انسان میں پیدا کیں۔ پس یاد رہے کہ انسان میں کوئی بہی قوت بُری نہیں ہے۔ بلکہ اُنکی بد استعمالی بُری ہے۔ سو انجیل کی تعلیم نہایت ناقص ہے۔ جسمیں ایک ہی پہلو پر زور ڈالدیا گیا ہے علاوہ اسکے دعوی تو ایسی تعلیم کا ہے کہ ایکطرف طمانچہ کہا کر دوسری بھی پھیر دیں۔ مگر اس دعوے کے موافق عمل نہیں ہے مثلاً ایک پادری صاحب کو کوئی طمانچہ مار کر دیکہہ لے کہ پہر عدالت کے ذریعہ سے وہ کیا

مولانا تھانوی کی اصل کتاب کا ایک صفحہ

کرے اور اسی طریق سے عدالت قائم ہو سکتی ہے۔

انسان میں قوتِ غضبیہ وحلم وغیرہ کی حکمت

انسان کی فطرت پر نظر کرکے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو مختلف قویٰ اس غرض سے دیئے گئے ہیں تاکہ وہ مختلف وقتوں میں حسب تقاضائے محل اور موقع قویٰ کو استعمال کرے گا انسان میں منجملہ اور خلقوں کے ایک خلق بکری کی فطرت سے مشابہ ہے۔ اور دوسرا خلق شیر کی صفت سے مشابہت رکھتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ انسان سے یہ چاہتا ہے کہ وہ بکری بننے کے محل میں بکری بن جائے اور شیر بننے کے محل میں وہ شیر بن جائے اور خدا تعالیٰ ہرگز نہیں چاہتا کہ وہ ہر وقت ہر محل میں بکری ہی بنا رہے اور نہ یہ کہ ہر جگہ وہ شیر ہی بنا رہے اور جیسا کہ وہ یہ نہیں چاہتا کہ ہر وقت انسان سوتا ہی رہے یا ہر وقت جاگتا ہی رہے یا ہر دم کھاتا ہی رہے یا ہمیشہ کھانے سے منہ بند رکھے اسی طرح وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ انسان اپنی اندرونی قوتوں میں سے صرف ایک قوت پر زور ڈالدے اور دوسری قوتیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو ملی ہیں ان کو لغو سمجھے اگر خدا نے انسان میں ایک قوت حلم اور نرمی اور درگزر اور صبر کی رکھی ہے۔ تو اسی خدا نے اس میں ایک قوتِ غضب اور خواہش انتقام کی بھی رکھی ہے۔ پس کیا مناسب ہے کہ ایک خداداد قوت کو تو حد سے زیادہ استعمال کیا جائے اور دوسری قوت کو اپنے میں سے کاٹ کر پھینکدیا جاوے اس کو خدا پر اعتراض آتا ہے۔ گویا اس نے بعض قوتیں انسان کو ایسی دی ہیں جو استعمال کے لائق نہیں کیونکہ یہ مختلف قوتیں اسی نے تو انسان میں پیدا کی ہیں۔

پس یاد رہے کہ انسان میں کوئی بھی قوت بری نہیں ہے بلکہ انکی بد استعمالی بری ہے۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ جزاء سیئة سیئة مثلها فمن عفی و اصلح فاجره علی اللہ یعنی اگر کوئی تمہیں دکھ پہنچاوے مثلاً دانت توڑ دے یا آنکھ پھوڑ دے تو اس کی سزا اسی قدر بدی ہے جو اس نے کی۔ لیکن اگر تم ایسی صورت میں گناہ معاف کردو کہ اس معافی کا کوئی نیک نتیجہ پیدا ہو اور اس سے کوئی اصلاح ہو سکے۔ یعنی مثلاً مجرم آئندہ اس عادت سے باز آجائے تو اس صورت

قال اللہ تعالیٰ

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ ۔ الآیۃ

المصالح العقلیۃ للاحکام النقلیۃ

یعنی

احکامِ اسلام عقل کی نظر میں

کامل تینوں حصے

جس میں تمام شرعی احکام کی عقلی حکمتیں اور مصلحتیں احکام الہٰیہ کے اسرار و فلاسفی ظاہر کی گئی ہے اور ثابت کیا ہے کہ تمام احکام شریعت عین عقل کے مطابق ہیں۔ کتاب کی ترتیب فقہی ابواب پر رکھی گئی ہے

از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ

ناشر

دار الاشاعت

مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی